مصنف
امجد اسلام امجد
(1944-2023)

سبق: ۱۰ دہلیز

مصنف کا تعارف

امجد اسلام امجد لاہور میں پیدا ہوئے۔ مسلم ماڈل ہائی سکول سے میٹرک، اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے بی۔اے کرنے کے بعد پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور سے اُردو میں ایم۔اے کیا۔ ایم۔اے اردو میں ان کی فرسٹ ڈویژن اور یونی ورسٹی میں دوسری پوزیشن تھی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ایم اے او کالج، لاہور سے کیا جہاں ۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۷۵ء تک شعبۂ اردو میں لیکچرر رہے۔ کچھ عرصے بعد اسی ادارے میں ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۷ء تک ایسوسی ایٹ پروفیسر رہے اور پھر ۱۹۹۷ء سے لے کر ریٹائرمنٹ تک چلڈرن لائبریری کمپلیکس اور اردو سائنس بورڈ، لاہور میں ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے وابستہ رہے۔

امجد اسلام امجد نے شاعر، ڈراما نویس، سفر نامہ نگار، نقاد اور مترجم کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ خاص طور پر وہ ٹیلی ڈراما نویس کی حیثیت سے کافی معروف ہوئے۔ انھیں ۱۹۸۷ء میں تمغائے حسنِ کارکردگی، ۱۹۹۸ء میں ستارۂ امتیاز اور ۲۰۲۳ء میں ہلال امتیاز کے اعزازات سے نوازا گیا۔

اس ضمن میں انھوں نے بے شمار ڈرامے لکھے جن میں ''وارث''، ''اپنے لوگ'' اور ''دہلیز'' کو عوام و خواص نے بہت پسند کیا اور انھیں بشمول چینی زبان کے، کئی زبانوں میں ''ڈب'' کیا گیا۔ امجد اسلام امجد اپنے حوالے سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میری زندگی کے اہم اور دل چسپ واقعات بہت سے ہیں۔ مثلاً: یہی بات اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ میں اپنی زندگی کے دوران میں کرکٹ کا کھلاڑی تھا اور اس میدان میں نام پیدا کرنا چاہتا تھا مگر آگے چل کر میری پہچان شاعری اور ڈراما بنے۔''

ان کی اہم تصانیف میں ''بارش کی آواز''، ''شام سرائے''، ''اتنے خواب کہاں رکھوں''، ''ساتواں در''، ''برزخ'' (شعری مجموعے) اور ''وارث''، ''دہلیز''، ''سمندر''، ''گردش''، ''دن''، ''رات''، ''وقت'' (ڈرامے) وغیرہ شامل ہیں۔

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ طلبہ کو فنِ ڈراما نگاری سے آشنا کرنا۔
- ☆ اُردو ادب میں ڈراما نگاری کی روایت اور نمایندہ ڈراما نگاروں کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- ☆ امجد اسلام امجد کی شخصیت اور مختلف ادبی، شعری جہات کے بارے میں بتانا۔
- ☆ ڈراما ''دہلیز'' کا فکری اور فنی جائزہ لینا۔

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 71 **دہلیز:** (چوکھٹ، ڈیوڑھی، دروازہ)، **پلازا:** (ہسپانوی لفظ، (Platea) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی شہری عمارت کے ہیں، دفاتر، مکانوں اور دکانوں کی عمارتیں وغیرہ۔)، **منصوبہ:** (وہ کام جس کا ارادہ کیا گیا ہو، کوئی اہم کام جس کا خیال یا تدبیر ذہن یا کاغذ میں محفوظ ہو) **نقشہ:** (تصویر، روپ، عکس، وہ خاکہ جو مکان وغیرہ کی تعمیر سے پہلے کاغذ پر بنایا جاتا ہے، تعمیر منصوبہ یا تجویز)، **ملحق:** (ملا ہوا، جڑا ہوا، نزدیک)، **حیلہ بہانہ:** (ٹال مٹول، بہانہ بازی، لیت و لعل)، **متبادل:** (بدلے میں آنے والا، بدل)، **لالچ:** (حرص، طمع)، **ناجائز:** (شریعت یا قانون کی رُو سے غلط، ناقابلِ قبول)، **حربہ:** (تدبیر، حیلہ، بہانہ)، **جاگیر:** (وہ زمین جو بادشاہ یا حکومت کی طرف سے انعام کے طور پر دی جائے۔)، **جاگیردار:** (وہ شخص جسے حکومت کی طرف سے جاگیر ملے، زمین دار)،

قدرت: (خدائی طاقت یا شانِ خداوندی، خدا کی ذات)، انتقام: (بدلہ، پاداش)، حویلی: (بڑا مکان، عالی شان مکان، محل سرا)، کش مکش: (کھینچا تانی، جھگڑا)، تیمارداری: (مریض کی دیکھ بھال، بیمار پُرسی)، رنجش: (آزردگی، ناخوشی، بگاڑ، اَن بَن)، نیک فطرت: (نیک سرشت، نیک طینت)، دل چسپی: (شوق، لگاؤ، رغبت)، جذبات: (جذبہ کی جمع، جوش، ولولہ، احساسات)، باطنی: (اندرونی، پوشیدہ، چھپا ہُوا)، سہارا: (امید، آسرا، بھروسہ، مدد)، بدمعاش: (وہ شخص جس کی روزی بُرے کاموں پر منحصر ہو، حرام خور)، ڈیرا: (زمین دار کا مکاں جو گاؤں میں ہوتا ہے، گھر، رہائش، ٹھکانا)، پرجوش: (جوش سے بھرا ہوا، جوشیلا، سرگرم)، بےچینی: (بےقراری، بےآرامی، پریشانی، گھبراہٹ)

نمبر 72 ایک دم (فوراً، فوری طور پر، اچانک)، اطمینان: (سکون، آرام لینا، تسلی)، گھبرانا: (پریشان ہونا، بوکھلانا، ڈر جانا)، اثبات: (اقرار، ہامی، ہاں)، حیرت: (تعجب، حیرانی)، غافل: (غفلت کرنے والا، بے پروا، بے فکر)، خواہ مخواہ: (بلاوجہ، بے ضرورت، مجبوراً)، آزردگی: (رنج، ناراضی، رنجش)، گلہ: (شکوہ، شکایت)، آندریں: (انتڑیاں)، آندریں جواب دے گئیں: (پنجابی محاورہ، مُراد ہے میں نے پورا زور لگا لیا ہے لیکن اب ہمت جواب دے گئی ہے۔)

نمبر 73 جواز: (اجازت، منظوری، جائز ہونا، قانونی اجازت)، مخاطب: (وہ جس سے بات کی جائے یا کہی جائے، جس سے خطاب کیا جائے۔)، شریف: (نیک طبیعت، بھلا آدمی، معتبر، معزز)، چونک: (خوف، وحشت، ڈر)، احتجاج: (اعتراض، انکار، مخالفانہ آواز اُٹھانا)، ضمیر: (دل، قلب، من اور جی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صحیح اور غلط میں تمیز کی اخلاقی حس)، آزاد: (خودمختار، بےفکر، بےغم)، سودا: (خرید و فروخت، لین دین، خریداری)، جھجک: (خوف، حیا، ہچکچاہٹ)

نمبر 74 بوجھ: (وزن، ذمہ داری، رنج و ملال)، انسانیت: (شرافت، تہذیب، تمیزداری، انسان ہونے کی فضیلت یا صفات)، خوش نظر: (ملن سار، بے تکلف، اچھی چیزوں کو پسند کرنے والا)، تیزگام: (تیز رفتار، جلد جلد قدم اٹھانے والا)، شرارت آمیز: (بدنیتی پر مبنی، شرارتی، شرارت والا)، بدتمیز: (ناشائستہ، پھوہڑ، گستاخ)، انتظام: (بندوبست، نظم و نسق)، چکما دینا: (فریب دینا، دھوکا دینا، بے وقوف بنانا)، چونک کر: (ڈر کر، خوف زدہ ہو کر)

نمبر 75 حیرت سے: (حیرانی سے، تعجب سے)، تذبذب: (شک و شبہ، تردد، غیر یقینی حالت)، گنوار: (جاہل، اُجڈ، غیر مہذب، بےوقوف)، داغ دار: (عیب دار، جس میں کچھ کھوٹ یا بُرائی ہو)، قید: (اسیر، گرفتار)

نمبر 76 گناہ گار: (خطا کار، مجرم، بدکار)، بھگتنا: (برداشت کرنا، جھیلنا، کیے کی سزا پانا)، رُخ: (چہرہ، طرف، سمت)، احسان: (اچھا سلوک، مہربانی کا برتاؤ، عملِ خیر)، اظہار: (ظاہر کرنا یا ہونا، انکشاف، بیان، گفت گو)، زائل: (دور ہونے والا، ہٹ جانے والا)

توضیحات

پلازا: ہسپانوی لفظ (Platea) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی شہری عمارت کے ہیں، دفاتر، مکانوں اور دکانوں کی عمارتیں وغیرہ۔

نقشہ: تصویر، روپ، عکس، وہ خاکہ جو مکان وغیرہ کی تعمیر سے پہلے کاغذ پر بنایا جاتا ہے، تعمیر منصوبہ یا تجویز۔

منصوبہ: وہ کام جس کا ارادہ کیا گیا ہو، کوئی اہم کام جس کا خیال یا تدبیر ذہن یا کاغذ میں محفوظ ہو۔

کیفے ٹیریا: ایک قسم کا ریستوران ہوتا ہے۔ یہ ایسا ریستوران ہوتا ہے، جس میں بیرا یا ویٹر نہیں ہوتا بلکہ گاہک خود ہی اشیائے خورو نوش میز پر لے جاتا ہے۔

سبق کا خلاصہ

یہ کہانی احمد علی اور فقیر حسین کے درمیان کشمکش اور تنازعات کو بیان کرتی ہے۔ احمد علی اور فقیر حسین آپس میں رشتے دار ہیں۔ احمد علی ایک کاروباری شخص ہے جو شہر میں ایک نئے پلازے کی تعمیر کا منصوبہ بناتا ہے۔ پلازے میں سینما بنانے کے لیے اسے ملحقہ مکان

کی ضرورت ہے جو اس کے چچازاد بھائی فقیر حسین کا ہے۔ وہ اسے مختلف حیلوں بہانوں سے گھر بیچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے بدلے بہترین مکان کا لالچ بھی دیتا ہے۔ لیکن فقیر حسین راضی نہیں ہوتا۔ احمد علی کا بیٹا عابد، زبردستی اس سے مکان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے اِس رویے سے فقیر حسین، اس کا بیٹا اختر اور بیٹی سعیدہ تنگ آجاتے ہیں۔ اختر اپنے دوست رفیق کی مدد سے ان تمام حالات پر قابو پالیتا ہے۔ رفیق ایک جرائم پیشہ فرد ہے جو جہانگیر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ لوگوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کرتا ہے۔

ایک روز اختر اور اس کی بہن سعیدہ رفیق کے گھر جاتے ہیں۔ سعیدہ گھر میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف اسے ڈھونڈتی ہے۔ رفیق گھر میں خاموش کھڑا ہوتا ہے اور سلامت ان دونوں کا استقبال کرتا ہے۔ رفیق کے رویے سے پشیمانی ظاہر ہو رہی ہے۔ اختر اور سعیدہ رفیق کو بتاتے ہیں کہ قدرت نے جہانگیر سے اس کے تمام گناہوں کا بدلہ لے لیا ہے اور وہ حویلی میں آگ لگنے سے جل کر مر گیا ہے۔ اس کی موت کا رفیق پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے تمام گناہوں کا ازالہ کر سکے اور معاشرے کا ایک بہترین انسان بن سکے۔ اختر اور سعیدہ رفیق کو سمجھاتے ہیں کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے نہ کرے اور یہ کام ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ جس پر رفیق انھیں کہتا ہے کہ ایک اچھا انسان بننے کے لیے اسے تمام بوجھ گردن سے اتارنا ہوں گے اور یہ گناہوں کا کفارہ ادا کیے بغیر ممکن نہیں۔ جس پر سلامت اسے کہتا ہے کہ وہ کام تم نے اپنی خوشی سے نہیں کیے تھے۔ لیکن رفیق خود کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے کہتا ہے کہ چاہے اپنی مرضی سے نہیں کیے تھے۔ مگر کیے تو تھے، قانون تو توڑا تھا اور لوگوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ سعیدہ رفیق سے محبت کرتی ہے اس لیے وہ اس کے موقف پر پریشان اور اداس ہو جاتی ہے۔ رفیق سلامت، اختر اور سعیدہ کے اصرار کے باوجود اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

دوسری طرف مصنف کہانی کو نیا موڑ دیتا ہے۔ جہانگیر کی موت کے بعد احمد علی اور فقیر حسین کے تعلقات میں تبدیلی آتی ہے۔ احمد علی کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے فقیر حسین اس کے گھر آنا جانا شروع کرتا ہے۔ جس سے ان کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کی موجودگی میں احمد علی فقیر حسین سے سعیدہ کا ہاتھ اپنے بیٹے خالد کے لیے مانگتا ہے۔ جسے خود سعیدہ بھی اس کے کردار اور شرافت کی وجہ سے پسند کرتی ہے۔ لیکن جب احمد علی سعیدہ کو اپنے پاس بیٹھنے کو کہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ جس پر فقیر حسین سعیدہ سے سوال کرتا ہے اور وہاں موجود تمام لوگ حیرت سے سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ احمد علی سعیدہ سے کہتا ہے کہ تم دونوں تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ سعیدہ اس بات کا اقرار کرتی ہے۔ وہ اپنی باتوں سے اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ وہ خالد سے نہیں بلکہ رفیق سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

رفیق کے جیل میں ہونے کے باوجود سعیدہ اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے اور انھیں سمجھاتی ہے کہ اگر ایک گناہ گار توبہ کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرے تو ایسے شخص کو قبول کرنا چاہیے اور اگر ہم ہی رفیق کو قبول نہیں کریں گے تو باقی دنیا کیسے کرے گی۔ فقیر حسین کو سعیدہ کی یہ سوچ پسند آتی ہے اور وہ اسے مشورہ دیتا ہے کہ رفیق کے ساتھ اس کا تعلق احسان کے طور پر نہ ہو، بلکہ ایک حقیقی شراکت داری کے طور پر ہو۔

مرکزی خیال

اس ڈرامے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کر کے نئی زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص توبہ کر کے اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کا ارادہ کرے تو اس کے اردگرد اور قریبی لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کا بھرپور ساتھ دیں۔ محبت اور ہمدردی کے ساتھ اس کی طرف قدم بڑھائیں۔ کیوں کہ یہی انسانیت ہے۔

اہم عبارات کی تشریح

نوٹ: (جو طلبہ ہر عبارت کا الگ الگ سیاق وسباق نہیں لکھ سکتے، وہ اس سبق کی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل درج ذیل اجمالی سیاق وسباق لکھ سکتے ہیں۔)

سیاق وسباق

یہ کہانی فقیر حسین اور احمد علی کے درمیان کشمکش اور تنازعات کو بیان کرتی ہے۔ احمد علی اور فقیر حسین آپس میں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی ایک کاروباری شخص ہے جو شہر میں پلازے کا منصوبہ بناتا ہے۔ پلازے کے گراؤنڈ فلور میں سنیما بنانے کے لیے انھیں ملحقہ مکان کی ضرورت تھی، جو فقیر حسین کا تھا۔ احمد علی مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے مکان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے اِس رویے سے فقیر حسین، اس کی بیٹی سعیدہ اور بیٹا اختر تنگ آ جاتے ہیں۔ اختر اپنے جرائم پیشہ دوست رفیق کی مدد سے ان تمام حالات پر قابو پاتا ہے۔ آخر کار رفیق اپنی جرائم پیشہ زندگی کو ترک کرتا ہے اور اپنے گناہوں کا ازالہ کرنے اور ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری طرف احمد علی کی بیماری اور جہانگیر کی موت کے باعث دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ احمد علی اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا رشتہ مانگتا ہے۔ لیکن وہ خالد نہیں بلکہ رفیق کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔ کیوں کہ سعیدہ کے نزدیک رفیق کا ساتھ دینا، انسانیت کی طرف قدم بڑھانے کے مترادف ہے۔

عبارت نمبر 1

اختر: (ہنستے ہوئے) یار سلامت! ایک تو تجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کی پڑی رہتی ہے۔

سلامت: تم مت بولو یار بیچ میں۔ میں باجی جی سے پوچھ رہا ہوں۔ تم ایسے ہی خواہ مخواہ۔۔۔

سعیدہ: نہیں سلامت بھائی۔ شکریہ۔ اب ہم چلیں گے۔ (رفیق سے) آپ آیئے نا کسی وقت۔ ابو بھی پوچھ رہے تھے آپ کو۔

رفیق: (آزردگی سے مسکراتے ہوئے) انھیں میرا سلام کہیے گا۔۔۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔۔۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک انھیں میرا نام بھی بھول چکا ہو۔۔۔

سعیدہ: کیا؟ کیا مطلب؟

سلامت: (گلے کے انداز میں) آپ ہی اس کو سمجھائیں باجی جی۔۔۔ میری تو آندریں جواب دے گئی ہیں بحث کر کر کے۔۔۔ استاد خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف دو خاندانوں کے درمیان موجود تنازعات کو بیان کرتے ہیں۔ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے پلازے میں سنیما بنانے کے لیے ملحقہ مکان کی ضرورت ہے جو فقیر حسین کا ہے۔ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے اسے گھر بیچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ رضامند نہیں ہوتے۔ اختر اپنے دوست رفیق کی مدد سے ان تمام حالات پر قابو پاتا ہے۔ جہانگیر کی موت کے بعد اختر اور سعیدہ رفیق کے گھر جاتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ رفیق اپنے گناہوں کا ازالہ کرنے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کر دیتا ہے۔ کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے، احمد علی کی بیماری کی وجہ سے فقیر حسین کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ احمد علی اپنی اِس دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کے لیے اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔ لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع

بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

یہ اقتباس ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جہاں مختلف کردار زندگی کے معمولات کے درمیان ایک دوسرے سے گفت گو کر رہے ہیں۔ لیکن روزمرہ بات چیت کے پس منظر میں حالات کی سنجیدگی بھی جھلک رہی ہے۔ یہ مکالمے اس وقت کے ہیں جب رفیق خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس لیے ماحول ایک غیر یقینی کیفیت سے گزرتا ہے۔ باتوں میں بظاہر ہلکی پھلکی فضا ہے مگر ہر کردار اپنے اپنے انداز میں معاشرتی دباؤ اور بکھرتی قدروں سے نبرد آزما ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ سعیدہ اور اس کا بھائی، رفیق سے ملنے اس کے گھر جاتے ہیں۔ رفیق اختر کا دوست ہے جو احمد علی کے پیدا کردہ زمینی مسائل پر قابو پانے میں اختر کی مدد کرتا ہے۔ اس سے ملتے ہی سعیدہ نہایت پرجوش انداز میں اسے جہانگیر کے جل کر مرنے کی خبر سناتی ہے۔ جہانگیر ایک پیشہ ور مجرم تھا جو زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ رفیق بھی اسی کے ساتھیوں میں سے تھا۔ سعیدہ اور اختر کو دیکھ کر رفیق کا ملازم سلامت انھیں پیڑے والی لسی کی پیش کش کرتا ہے۔ جس پر ہنستے ہوئے اختر جواب دیتا ہے کہ یار سلامت تجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کی پڑی رہتی ہے۔ سلامت اختر سے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم بیچ میں مت بولو! میں سعیدہ باجی سے پوچھ رہا ہوں۔ سعیدہ لسی کے لیے سلامت کو منع کر دیتی ہے اور رفیق کی طرف متوجہ ہو کر کہتی ہے کہ آپ کسی دن ہمارے گھر آئیں۔ ابا بھی آپ کا پوچھ رہے تھے۔ سعیدہ رفیق کو پیشہ ور مجرم ہونے کے باوجود پسند کرتی ہے۔ لیکن اس نے کبھی اس سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ رفیق کے ساتھ اس کی ہمدردی اس کی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ بقول شاعر:

ہم لبوں سے کہہ نہ پائے ان سے حالِ دل کبھی　　اور وہ سمجھے نہیں یہ خامشی کیا چیز ہے　　(ندا فاضلی)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ سعیدہ رفیق کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ابو بھی آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ یہ سن کر رفیق نہایت رنجیدہ سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے جواب دیتا ہے کہ اپنے ابا کو میرا اسلام دینا۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔ ہوسکتا ہے اس وقت تک انھیں میرا نام بھی بھول جائے۔ رفیق نہایت اداس اور مایوس ہونے کے باوجود چہرے پر مسکراہٹ سجائے سعیدہ کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ دراصل رفیق اپنے گناہوں اور جرائم پیشہ زندگی پر نادم تھا۔ یہ احساسِ ندامت اسے لوگوں سے ملنے سے روک رہا تھا اور وہ لوگوں سے کنارہ کرنا چاہتا تھا۔ رفیق کا یہ کہنا کہ ''ہوسکتا ہے اس وقت تک **انھیں میرا نام بھی بھول چکا ہو۔**'' اس کے داخلی رنج و غم، تکلیف، اداسی، ناامیدی اور اضطراب کو بیان کر رہا تھا۔ وہ اپنے ماضی کے گناہوں کی وجہ سے شرمندہ تھا۔ اس لیے وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

رفیق کا یہ رنجیدہ لہجہ سعیدہ کو پریشان کر دیتا ہے اور وہ نہایت پریشانی کے عالم میں رفیق سے پوچھتی ہے کہ آپ کی اِس بات کا کیا مطلب ہے کہ ابا آپ کا نام تک بھول جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ رفیق خود جواب دیتا، سلامت شکوہ کے انداز میں سعیدہ سے کہتا ہے کہ باجی جی آپ اسے سمجھائیں۔ اس سے بحث کر کر کے میری ہمت جواب دے گئی ہے اور یہ ہے کہ سمجھتا ہی نہیں۔ استاد خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔ دراصل رفیق کے باطن میں نیکی کا عنصر موجود ہے۔ ساری زندگی جرائم کرنے کے باوجود بھی اس کا ضمیر زندہ ہے۔ رفیق اپنے استاد جہانگیر کی عبرت ناک موت سے سبق حاصل کرتا ہے اور اپنے تمام گناہوں کا ازالہ کرنے کا سوچتا ہے۔ اس لیے وہ خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تاکہ پولیس اسے اِس کے جرم کی سزا دے اور وہ خود کو گناہوں کے بوجھ سے آزاد کرا سکے۔ بقول امجد اسلام امجد:

''مجرموں کے لیے بھی اصلاح اور اصلاح کے بعد انھیں معاشرے کے فعال اور ذمے دار رکن بنانے کے مواقع فراہم ہونے چاہییں۔''

یہ عبارت مصنف کے اس خاص اسلوب کی مثال ہے۔ جس میں وہ سادہ اور عام فہم زبان میں کرداروں کے جذبات کی

نمائندگی کرتے ہیں۔ مکالمے روزمرہ انداز کے ہیں لیکن قاری یا ناظر ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس عبارت میں مصنف نے دکھایا ہے کہ زندگی بظاہر معمول کے ڈھب پر چلتی دکھائی دیتی ہے لیکن اندر سے ہر شخص کسی نہ کسی بوجھ یا کشمکش کا شکار ہوتا ہے، مکالموں کا انداز سادہ اور فطری ہے اسی لیے متاثر کن ہے۔

عبارت نمبر 2

سلامت: پھر وہی بات۔۔۔ (اختر کو مخاطب کرتے ہوئے) دیکھو یار باؤ، اب جب کہ ہم یہ سارے غلط قسم کے کام چھوڑ رہے ہیں، شریف شہری بننے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو کیا یہ کافی نہیں ہے؟ (اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو سمجھاؤ پھر ان کو۔ (استاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

رفیق: یہ بات نہیں ہے سلامے۔ شریف آدمی بننے کے لیے مجھے وہ سارے بوجھ اپنی گردن سے اتارنے ہوں گے جو میں نے ان بارہ سالوں میں جمع کیے ہیں، سارے جرائم اور غیر قانونی کام جو میں کرتا رہا ہوں اُن کا کفارہ ادا کیے بغیر مجھے، ان لوگوں کے ساتھ (اختر اور سعیدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سعیدہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔) کھڑا ہونے کا کوئی حق نہیں۔ میں کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف دو خاندانوں کے درمیان موجود تنازعات کو بیان کرتے ہیں۔ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ مکان کی ضرورت ہے، جو فقیر حسین کی ملکیت ہے احمد علی مختلف حیلوں بہانوں سے اسے گھر بیچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن وہ رضا مند نہیں ہوتا۔ اختر اپنے دوست، رفیق کی مدد سے ان تمام حالات پر قابو پاتا ہے۔ رفیق جہانگیر کے ساتھ مل کر زمینوں پر ناجائز قبضہ کرتا تھا۔ جہانگیر کی عبرت ناک موت کے بعد رفیق خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد کہانی میں نیا موڑ آتا ہے۔ احمد علی اور فقیر حسین کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ احمد علی اپنی اِس دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کے لیے اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔ لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اِس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

اس اقتباس میں وہ لمحہ دکھایا گیا ہے جب رفیق اپنے ماضی کے جرائم سے توبہ کر کے ایک نئی پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ رفیق میں ماضی کی تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف قدم بڑھانے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ رفیق کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ظاہری تبدیلی پر قناعت نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنے ضمیر کو بھی مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے پرانے جرائم کا بوجھ اتارنے کی بات کر رہا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف رفیق کی ذہنی کشمکش بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے ماضی کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے اِس فیصلے سے سلامت، اختر اور سعیدہ اسے روکتے ہیں۔ لیکن وہ کسی کی بات نہیں مانتا۔ کیوں کہ وہ اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کے عمل میں ہے اور اسے یقین ہے کہ صرف غلط کام چھوڑ دینا کافی نہیں، بلکہ اسے اپنے ماضی کے گناہوں کا ازالہ بھی کرنا ہوگا۔ بقول عطا حسین فانی:

شرمندہ ہوں گناہ سے اپنے میں اس قدر کیا چشم پر گنہ کو تیری دو بدو کریں

parho.pk

سلامت، رفیق کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے اختر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جب استاد نے سارے غلط کام چھوڑ کر شریف انسان کی طرح زندگی گزارنے کا ارادہ کرلیا ہے تو کیا یہ کافی نہیں۔ اچھا شہری بننے کے لیے کیا استاد پر لازم ہے کہ وہ خود کو قانون کے حوالے کرے۔ دراصل سلامت کے نزدیک اچھا شہری بننے کے لیے گناہوں سے کنارہ کرنا ہی کافی ہے اور ماضی میں کیے گئے غلط کاموں کا کفارہ ادا کرنا لازم نہیں۔ سلامت کی اِس سوچ سے اختر بھی ہم خیال نظر آتا ہے۔ وہ اختر سے رفیق کو سمجھانے کے لیے کہتا ہے کہ استاد سے کہیں کہ جیل جانے کی ضد چھوڑ دیں۔ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیے بغیر بھی استاد اچھا انسان بن سکتا ہے۔ کیوں کہ توبہ کرنے اور گناہوں سے کنارہ کرنے سے ہی ماضی کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”مگر وہ جنھوں نے توبہ کی، اپنی اصلاح کی اور حق کو بیان کر دیا، تو میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا، اور میں ہی توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔“ **(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 160)**

اور بقول اسماعیل میرٹھی:

؎ اگر تم سے ہوجائے سرزد قصور — تو اقرار و توبہ کرو بالضرور

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ رفیق، سلامت اور اختر کی بات کو مسترد کر دیتا ہے کیوں کہ اپنے ضمیر کے بوجھ کر ہلکا کرنے کے لیے وہ خود کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس لیے وہ سلامت سے کہتا ہے: **”کہ یہ بات نہیں ہے سلامے۔ شریف آدمی بننے کے لیے مجھے وہ سارے بوجھ اپنی گردن سے اتارنے ہوں گے جو میں نے ان بارہ سالوں میں جمع کیے ہیں۔“** یعنی رفیق کے نزدیک شریف شہری بننے کے لیے صرف اپنے ماضی کے تمام جرائم کو پسِ پشت ڈالنا کافی نہیں بلکہ اپنے کیے گئے جرائم کی تلافی کرنا ضروری ہے۔ رفیق کے ذریعے مصنف نے اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ بظاہر مجرم نظر آنے والے شخص کے باطن میں نیکی کا عنصر بھی موجود ہوسکتا ہے۔ رفیق اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اور خود پر سے گناہوں کا بوجھ اتارنے کے لیے عملی اقدامات اٹھاتا ہے۔ اس کے نزدیک وہ اپنے تمام جرائم، غیر قانونی کام اور لوگوں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں جیسے گناہوں سے اس وقت تک پیچھا نہیں چھڑا سکتا جب تک کہ وہ ان کا کفارہ ادا نہ کرلے۔ یعنی اپنے گناہوں کی سزا نہ پالے۔ بقول شاعر:

؎ دل پہ جب بوجھ بڑھا، رنج والم یاد آیا — ہم کو اپنے ہی گناہوں کا بھرم یاد آیا

تشریح طلب عبارت کے آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ رفیق میں موجود احساسِ جرم اسے سزا کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ اِس کے علاوہ اس میں موجود احساسِ ندامت اسے بار بار اپنے مجرم ہونے کا احساس دلا رہا ہے۔ اس لیے وہ سلامت سے کہتا ہے کہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیے بغیر میں ان لوگوں یعنی سعیدہ اور اختر جیسے معزز لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ صرف اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتا بلکہ وہ ان تمام منفی اثرات کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے جو اس کے بُرے اعمال کا نتیجہ تھے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ کفارہ ادا کیے بغیر خود کو بہتر شخص نہیں بن سکتا اور وہ اس سماج میں جہاں سعیدہ اور اختر جیسے معزز لوگ ہیں، جنھوں نے زندگی میں کبھی کوئی جرم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کی، صرف گناہوں سے توبہ کرکے خود کو ان میں شمار نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ ان کے سامنے وہ خود کو چھوٹا محسوس کرتا ہے اور ایسے معزز لوگوں میں خود کو عزت کے ساتھ کھڑا ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ بقول شاعر:

؎ کوئی پرسانِ وفا ہے نہ پشیمانِ جفا — زخم ہم اپنے دکھائیں تو دکھائیں کس کو (اختر سعید خان)

اقتباس کے آخر میں مصنف نے سعیدہ کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو کو بھی بیان کیا ہے۔ رفیق کا جیل جانے کا فیصلہ کرنا اور یہ اقرار کرنا کہ میں معزز لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونے کے قابل نہیں، سعیدہ کو چونکا دیتا ہے۔ وہ رفیق کے خیالات سے متاثر ہوتی ہے اور اسے اس کے اِس فیصلے پر حیرانی ہوتی ہے کہ وہ اس قدر مثبت سوچ کا مالک ہے۔ اتنے جرم کرنے کے باوجود بھی اس میں نیکی کا عنصر موجود ہے۔ اس کے اندر ضمیر کی چنگاری ابھی بجھی نہیں۔

اس عبارت میں نہایت سادہ مکالماتی انداز میں ایک اہم اخلاقی کشمکش کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کرداروں کی فطری زبان، جذباتی کیفیات اور اندرونی تضادات کو اچھی طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ رفیق کے الفاظ میں ضمیر کی خلش، اصلاح کی خواہش اور سچی توبہ کا

جذبہ جھلکتا ہے۔ یہ جذبہ اسے ایک مجرم سے ایک حساس انسان میں بدل دیتا ہے۔ سلامت کا ہلکا پھلکا انداز اور اختر کا سنجیدہ رویہ اس منظر کو توازن فراہم کرتے ہیں۔ یہ عبارت سادگی اور حقیقت پسندی کا ایک عمدہ نمونہ نظر آتی ہے۔

عبارت نمبر 3

سلامت: پر وہ کام تم نے اپنی خوشی سے تو نہیں کیے تھے۔

رفیق: (زور دیتے ہوئے) کیے تو تھے نا۔۔۔ قانون تو توڑا تھا نا۔۔۔ نقصان تو پہنچا ہے نا لوگوں کو میری وجہ سے۔

سلامت: وہ تو ٹھیک ہے پر۔۔۔ انصاف بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق؛ انصاف ہی کے لیے تو میں یہ سب کر رہا ہوں سلامے!

اختر: مگر استاد! سلامت بھی ٹھیک کہ رہا ہے۔۔۔ بارہ سال میں جو تم پر گزری ہے، یہ کم سزا تو نہیں۔

رفیق: نہیں اختر باؤ نہیں۔ (سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے) میں ٹھیک کر رہا ہوں نا سعیدہ بی بی؟

سعیدہ: (پریشانی میں) ہاں۔ رفیق صاحب۔۔۔!

اختر: (احتجاج آمیز انداز میں) یہ کیا کہ رہی ہو؟

(سعیدہ کوئی جواب نہیں دیتی۔)

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی ایک کاروباری شخص ہے۔ اسے اپنے پلازے میں سینما بنانے کے لیے فقیر حسین کا مکان درکار ہے۔ فقیر حسین اسے اپنا مکان نہیں بیچتا۔ اختر کا دوست رفیق جو جرائم پیشہ گروہ کا حصہ ہوتا ہے وہ احمد علی سے ان کی جان چھڑانے میں مدد کرتا ہے۔ رفیق اپنے ساتھی جہانگیر کی عبرت ناک موت سے سبق حاصل کرتا ہے اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے اس فیصلے سے اُسے اختر، سعیدہ اور سلامت روکتے ہیں۔ مگر وہ اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد کہانی میں نیا موڑ آتا ہے۔ احمد علی اور فقیر حسین کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے لیکن سعیدہ، خالد سے شادی کی بجائے رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ "دہلیز" ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

اس منظر میں رفیق اپنی اصلاح کے فیصلے پر ثابت قدم دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے ماضی کے گناہوں کا بوجھ محسوس کرتے ہوئے ان کا کفارہ ادا کرنے پر بضد ہے، اختر اور سلامت اس کی جذباتی حالت کو سمجھنے اور اسے سہارا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رفیق کے دل میں ماضی میں کیے گئے اپنے بُرے اعمال کا پچھتاوا ہے اور وہ اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہونا چاہتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ رفیق اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے اور گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ سلامت، اختر اور اس کی بہن سعیدہ اسے جیل جانے سے منع کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہے۔ دراصل رفیق کا موقف یہ ہے کہ صرف اپنے ماضی کو پسِ پشت ڈالنا کافی نہیں، بلکہ معزز شہری بن کر معاشرے میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی پوری پوری سزا پائے۔ تاکہ لوگوں کے ساتھ کیے گئے ظلم وزیادتی

parho.pk

کا بوجھ اس کی گردن سے اتر جائے اور وہ خود کو مطمئن کر سکے۔ اگر چہ رفیق ایک پیشہ ور مجرم ہے لیکن اس کے باطن میں نیکی موجود ہے۔ جس نے اسے توبہ کرنے اور راہِ راست پر چلنے پر مجبور کیا۔ ایسے لوگوں کا دنیا و آخرت میں بڑا مقام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ چل، اس حال میں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔'' (سورۃ الفجر، آیت نمبر: 27-30)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ سلامت رفیق کو جیل جانے سے روکتا ہے اور ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ بدل لے۔ لیکن رفیق اپنے فیصلے پر بضد رہتا ہے۔ سلامت اسے مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ بارہ سال جو جرم تم نے کیے ہیں اپنی خوشی سے تو نہیں کیے۔ یہاں مصنف نے رفیق کے ذریعے جرائم پیشہ لوگوں کی مجبوری کو ظاہر کیا ہے۔ یعنی ہر جرم کرنے والا شخص اپنی خوشی سے جرم نہیں کرتا۔ اس کے پیچھے بہت سے محرکات ہوتے ہیں جو اسے جرم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جیسے کسی طاقت ور شخصیت کا دباؤ، کسی مجبوری یا غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔ رفیق نے بھی ایسی ہی کسی مجبوری کے تحت جرائم کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے سلامت اسے کہتا ہے کہ جن جرائم کے سزاوار تم خود کو ٹھہراتے ہو، وہ تم نے اپنی مرضی سے نہیں کیے بلکہ طاقت ور شخصیت کے کہنے، غربت اور مجبوری کی وجہ سے کیے تھے۔ رفیق سلامت کی بات سے متاثر ہوئے بغیر اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ جو بھی تھا، خواہ میں نے جرم کسی مجبوری کے تحت کیے تھے، لیکن کیے تو تھے ناں! میں نے قانون توڑا لوگوں کو میری وجہ سے جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کیا۔ میری وجہ سے معصوم لوگوں کا خون بہا۔ دراصل رفیق اپنے کیے پر بہت نادم تھا۔ اس لیے وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ بقول شاعر:

ندامتیں مرے ماضی سے کر رہی ہیں سوال ... وہ ماہ و سال کی دولت کہاں لٹا دی ہے

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ سلامت رفیق کو مطمئن کرنے اور خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے فیصلے سے روکتا ہے۔ وہ اسے کہتا ہے اگر چہ تم نے گناہ کیے ہیں، لوگوں کے ساتھ ناحق کیا ہے مگر تم نے یہ سب اپنی مرضی سے تو نہیں کیا، انصاف بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ دراصل سلامت کا یہ موقف ہے کہ چوں کہ رفیق نے جرم اپنی مرضی سے نہیں کیے۔ ایک خاص مجبوری غربت، طاقت ور شخصیت کے کہنے پر کیے ہیں۔ لہٰذا اس کے نزدیک انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ رفیق خود کو سزا کا مرتکب نہ ٹھہرائے بلکہ گناہوں سے کنارہ کر کے معزز شہری کی طرح زندگی گزارے اور خود کو مجرم سمجھنا چھوڑ دے۔ لیکن رفیق کے نزدیک انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچا ہے تو اسے اس کی پوری سزا ملنی چاہیے کیوں کہ قانون اور انصاف نیت یا حالت دیکھ کر نہیں بلکہ عمل کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر کسی نے جرم کیا ہے تو اسے اس کا پورا حساب دینا ہوگا، چاہے وہ کسی مجبوری میں ہی کیوں نہ کیا ہو۔ درحقیقت انصاف ایک اصولی چیز ہے، اور اسے ذاتی احساسات، ہمدردی یا تعلقات کی بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر: 58)

تشریح طلب عبارت کے آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ اختر بھی سلامت کی رائے کی تائید کرتے ہوئے رفیق سے کہتا ہے کہ سلامت ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بارہ سال جو تم پر گزری ہے، یہ سزا کم تو نہیں ہے۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ رفیق نے جو جرم کیے وہ اپنی خوشی سے نہیں کیے۔ بارہ سال جرائم کی دنیا میں گزاری ہوئی زندگی کا بوجھ اس کی گردن پر ہے۔ اگر چہ اس دوران میں اسے باضابطہ طور پر کوئی سزا نہیں دی گئی، لیکن ان بارہ سالوں کی مشکلات خود ایک سزا ہیں۔ نیز رفیق اختر کی بات سے بھی اتفاق نہیں کرتا اور نہایت بے چینی اور بے بسی کے عالم میں اختر سے کہتا ہے کہ نہیں باؤ نہیں۔ یہ کہہ کر وہ سعیدہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں! سعیدہ بی بی۔ یعنی وہ اس سے اپنے جیل جانے والے فیصلے کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔ جس پر سعیدہ نہایت پریشانی اور گھبراہٹ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے۔

جو کہو گے تم کہیں گے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی ... آپ کی گر یوں خوشی ہے مہرباں یوں ہی سہی (ابراہیم ذوق)

سعیدہ کی اس کیفیت کی بڑی وجہ اس کی رفیق کے ساتھ جذباتی وابستگی ہے۔ایک طرف وہ اپنے اندر اس کے لیے محبت کے جذبات رکھتی ہے۔دوسری طرف اس کے ضمیر کی آواز سے متاثر نظر آتی ہے۔بقول شاعر:

عشق سنتے تھے جسے ہم یہ وہی ہے شاید — خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا (الطاف حسین حالی)

سعیدہ کے اِس جواب پر اختر احتجاج آمیز لہجے یعنی اس کی رائے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہو۔لیکن وہ اِس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیتی اور اپنی ذہنی الجھن کے باعث، خاموش کھڑی رہتی ہے۔

اس عبارت میں فرد کی اخلاقی بیداری کو نہایت سادہ اور مؤثر مکالمات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔رفیق کا کردار جذباتی کے ساتھ فکری سطح پر بھی بیدار ہے۔وہ اپنے ماضی کے جرائم کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہے۔عبارت کا اسلوب جان دار اور دل کش ہے، کرداروں کی زبان کا قدرتی بہاؤ اور جذبات کی کشمکش، اسلوب کی ندرت کو ظاہر کرتے ہیں۔مصنف نے ایک عام منظر کو روحانی اور اخلاقی گہرائی کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری یا ناظر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

عبارت نمبر 4

رفیق: ضمیر پر بوجھ لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لینا برا سودا نہیں اختر۔۔۔(جاتے جاتے رُکتا ہے۔) پھر تم بھی کسی جھجک کے بغیر مجھے اپنا دوست کہہ سکو گے۔۔۔کہو گے نا!۔۔۔(اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے۔) اچھا سعیدہ بی بی خدا حافظ!

سعیدہ: خدا حافظ

سلامت: (بے چینی سے آگے آتے ہوئے) کمال کرتے ہو یار استاد جی۔تمھارا کیا خیال ہے، ہمارا کوئی ضمیر نہیں ہے۔۔۔ ہمارے اوپر کوئی بوجھ نہیں۔اگر تم نے جیل کی دال روٹی کھانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔۔۔(سعیدہ سے) انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

(دونوں جاتے ہیں۔رفیق چند لمحے دروازے میں رک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچا زاد بھائی ہیں۔احمد علی کاروباری شخص ہے۔اسے اپنے پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ مکان درکار ہے، جو فقیر حسین کا ہے۔وہ اپنا مکان بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے احمد علی کا بیٹا عابد انھیں کافی پریشان کرتا ہے۔اختر کا دوست رفیق جو خود زمینوں پر ناجائز قبضہ کرتا ہے وہ احمد علی سے ان کی جان چھڑاتا ہے۔لیکن اپنے ساتھی جہانگیر کی عبرت ناک موت کی وجہ سے رفیق اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔سلامت، اختر اور سعیدہ اس کے اس فیصلے سے رضا مند نہیں ہوتے لیکن وہ پھر بھی اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین کی باہمی کشیدگی ختم ہو جاتی ہے۔احمد علی اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈراما نگار ہیں۔انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

یہ منظر اس وقت کا ہے جب رفیق اپنے ماضی کی تمام غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ایک نیا راستہ چن چکا ہے۔وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔چناں چہ اس نے خود کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔رفیق نے جرائم کے

اندھیروں سے نکلنے کا فیصلہ کیا تو اس کے دوست بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اس سے رفیق کی اخلاقی جدوجہد مزید باوقار بن گئی ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا ارشاد مبارک ہے:

"ضمیر کی عدالت میں ضرور جایا کرو کیوں کہ وہاں کبھی غلط فیصلے نہیں ہوتے۔"

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ رفیق اپنے جیل جانے کے فیصلے پر بضد رہتا ہے اور اپنے دوستوں کے منع کرنے کے باوجود بھی جیل جانے کے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ رفیق کے نزدیک ضمیر مطمئن ہونا زیادہ ضروری ہے اور اس کے لیے چند سال جیل میں گزارنا کوئی گھاٹے کا سودا نہیں۔ ضمیر کی قید جسمانی قید سے زیادہ سخت اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس لیے ساری زندگی ضمیر کی خلش میں مبتلا رہنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اس کی سزا بھگت لے اور یہی رفیق نے کیا۔ بقول شاعر:

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے — تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا (مومن خاں مومن)

رفیق نہایت بے بسی اور اضطرابی کیفیت میں اختر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جب میں جیل سے واپس آ جاؤں گا تو تم بلا جھجک مجھے اپنا دوست کہہ سکو گے ناں۔ رفیق اپنے ماضی پر اس قدر نادم ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے خود کو اختر اور سعیدہ جیسے معزز شہریوں میں شمار کرنے سے بھی کتراتا ہے۔ اس لیے وہ خود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تاکہ وہ گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کر سکے اور خود کو بلا جھجک معزز شہریوں میں شمار کر سکے۔ اس کے علاوہ رفیق کے دل میں خلش بھی موجود تھی کہ چاہے اس نے جرائم کی دنیا کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس قابل نہیں کہ اختر جیسے معزز شہری کا دوست کہلا سکے۔ نیز رفیق کے یہ جملے اس کی اندرونی کیفیت، اضطراب اور کشمکش کو بیان کرتے ہیں۔ بقول شاعر:

وہ پوچھتے ہیں دلِ مبتلا کا حال اور ہم — جواب میں فقط آنسو بہائے جاتے ہیں (ہادی مچھلی شہری)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ اختر رفیق کی بات پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ جاتے ہوئے سعیدہ کو خدا حافظ کہتا ہے۔ سعیدہ اس کے لیے جذبات، احساسات اور محبت کا اظہار کیے بغیر اسے خدا حافظ کہتی ہے۔ سلامت رفیق کو اکیلے جانے سے روکتا ہے۔ وہ بے چینی سے آگے بڑھتے ہوئے اس سے کہتا ہے کہ تمھارا کیا خیال ہے استاد ہمارا کوئی ضمیر نہیں۔ یعنی سلامت جو خود رفیق اور جہانگیر کے گروہ کا حصہ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ بہت سے جرائم میں ملوث ہوتا ہے، وہ بھی رفیق کے ساتھ جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے کہ وہ بھی اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے جرائم کے مطابق سزا کاٹے گا تاکہ اس پر سے بھی گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور وہ باقی زندگی گناہوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر معزز شہری کی طرح گزار سکے۔ نیز یہاں دوستی کے جذبات بھی ظاہر ہوتے ہیں کہ سلامت اپنے دوست رفیق کو اکیلے جیل جانے سے روکتا ہے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے خود بھی جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جاتے ہوئے سلامت سعیدہ سے ایک جملہ کہتا ہے کہ آخر انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

وہاں جانے کو سب دشوار ہی دشوار کہتے ہیں — وہاں جانے کا کوئی راستہ آسان پیدا کر (سیماب اکبر آبادی)

سلامت اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال کر اپنے استاد رفیق کا ساتھ دینے کے لیے جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ کیوں کہ سلامت کے نزدیک دنیا میں صرف ذاتی فائدہ یا اصول وضوابط ہی سب کچھ نہیں ہوتے۔ بلکہ انسانیت اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی بھی زندگی کی بڑی حقیقت ہے۔ بقول شاعر:

فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بننا — مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ (الطاف حسین حالی)

تشریح طلب عبارت کے آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ رفیق اور سلامت گھر سے باہر قدم رکھتے ہیں۔ رفیق کچھ دیر دروازے میں رک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ لمحہ ان دونوں کے درمیان گہری محبت اور جذباتی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ رفیق کا رک کر سعیدہ کی طرف دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ سعیدہ کی طرح اس کے دل میں بھی محبت کے جذبات موجود ہیں۔ یہ لمحہ جدائی کے دُکھ، محبت کی شدت اور ان کے جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ اقتباس کرداروں کی داخلی کشمکش اور ضمیر کی خلش کو نمایاں کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ دوستوں کی باہمی وابستگی کا بھی ایک زبردست عکس پیش کرتا ہے۔ رفیق کا کردار سچائی، ندامت اور قربانی سے عبارت ہے۔ سلامت کا ردِعمل اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانیت ابھی باقی ہے۔ مصنف کا اسلوب سادہ مگر دل میں اتر جانے والا ہے۔ کرداروں کی گفت گو قاری کی فکر کو ایک نئی سطح پر لے جاتی ہے۔

عبارت نمبر 5

احمد علی: آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے پیدل ساری دنیا میں گھوم جاؤں۔

نیلم: (شرارت آمیز انداز میں) مگر کراچی سے آگے تو سمندر شروع ہو جاتا ہے ابو!

سلمٰی: (محبت سے) بہت بد تمیز ہوتی جا رہی ہو تم۔

اختر: جی بالکل۔

نیلم: آپ تو مت بولا کریں بیچ میں۔

احمد علی: کیوں نہیں بولے گا یہ۔۔۔ بلکہ ہم تو ایسا انتظام کر رہے ہیں کہ تم اس کے سامنے بول ہی نہ سکو۔ کیوں سلمٰی؟

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچا زاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے اپنے پلازے میں سنیما بنانے کے لیے ملحقہ مکان درکار ہوتا ہے۔ جو فقیر حسین کا ہے۔ وہ اپنا مکان بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے احمد علی کا بیٹا عابد انھیں کافی پریشان کرتا ہے۔ اختر کا دوست رفیق جو خود زمینوں پر ناجائز قبضہ کرتا ہے وہ احمد علی سے ان کی جان چھڑاتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھی جہانگیر کی عبرت ناک موت کی وجہ سے رفیق اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ سلامت، اختر اور سعیدہ اس کے اس فیصلے سے رضا مند نہیں ہوتے لیکن وہ پھر بھی اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین کی باہمی کشیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ احمد علی اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔ لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈراما نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈراما ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

اس عبارت میں دکھایا گیا منظر خوشی اور محبت سے بھرپور گھریلو فضا کا عکاس ہے۔ مہمانوں کی آمد پر احمد علی خوش ہے جس کی وجہ سے خاندان کے باقی افراد بھی ہنسی مذاق میں مصروف ہیں۔ یہ وہ لمحہ ہے جب رشتے مضبوط ہو رہے ہیں اور ہنسی مذاق میں دل کی باتیں کہی جا رہی ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی کی شدید علالت کے باعث فقیر حسین اس کے گھر جاتا ہے اور پورے خلوص سے اس کی تیمارداری کرتا ہے۔ جس سے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔

علی احمد کو ڈاکٹر نے پچاس قدم چلنے کی اجازت دی ہے۔ وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آہستہ آہستہ پچاس قدم چلتا ہے۔ اسے اس بات کی خوشی ہے کہ فقیر حسین اس کی تیمارداری کے لیے آیا ہے۔ ڈاکٹر نے اسے پچاس قدم چلنے کی اجازت دی تھی لیکن اس دن وہ نہ صرف حد سے تجاوز کرتا ہے بلکہ چلتے ہوئے اس کے اندر ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کے اندر جینے کا ایسا

حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیدل ہی ساری دنیا گھومنا چاہتا ہے۔ وہ زندگی کی وسعتوں میں قدم رکھنا چاہتا ہے۔ اس کی دنیا گھومنے کی خواہش محض پیدل چلنے اور فاصلہ طے کرنے کی بات نہیں بلکہ یہ زندہ دلی اور نئی امیدوں کا اعلان ہے، زندگی میں یہ تازہ خوشی ایک مہربان دوست کی آمد کا نتیجہ ہے۔ بقول شاعر:

دل کو جو چین ملے وہ تری صحبت بھی ہے ۔ دوستی درد کا درماں بھی ہے راحت بھی ہے

بیماری میں آدمی کے مزاج میں ناامیدی اور بے قراری آجاتی ہے۔ اس کی زندگی خزاں کی دھوپ کا منظر پیش کرنے لگتی ہے۔ ایسے میں اگر کوئی دوست ملنے اور حال پوچھنے کے لیے آجائے تو آدمی پھر سے جی اٹھتا ہے۔ اس کی بے قراری کو قرار آجاتا ہے اور دل بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

تیرا چہرہ نظر آئے تو سکوں آجائے ۔ ورنہ دل کو تو کسی طور قرار آتا نہیں

فقیر حسین کی آمد سے تعلقات مضبوط ہوئے ہیں اور احمد علی کو بیماری کے احساس سے نجات ملی ہے۔ وہ ان سے مل کر ایسے خوش ہے جیسے کبھی بیمار تھا ہی نہیں۔ وہ سب کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے پیدل ساری دنیا میں گھوم جاؤں۔

یہ جملے احمد علی کی داخلی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ احمد علی کو صحت یاب دیکھ کر سب لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کی بیٹی نیلم شرارت آمیز لہجے میں کہتی ہے کہ آپ پیدل ساری دنیا گھومنا چاہتے ہیں۔ لیکن کراچی سے آگے تو سمندر شروع ہو جاتا ہے۔ نیلم کی اس شوخ مزاجی پر اِس کی ماں، سلمیٰ اس سے کہتی ہے کہ تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔ ان جملوں سے ان کی باہمی محبت اور خوشی جھلکتی ہے۔ اختر نیلم سے شادی کرنا چاہتا ہے اور ان کے بڑے بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ پیار بھرے لہجے میں سلمیٰ کی بات کی تائید کرتا ہے۔ جس پر نیلم اِس سے خفا ہو کر کہتی ہے کہ آپ بیچ میں مت بولا کریں۔ ان کی آپس کی یہ نوک جھونک دیکھ کر احمد علی مسکراتا ہے اور اپنی بیٹی سے کہتا ہے کہ اختر کیوں نہ بولے اور اس کی ماں یعنی سلمیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم اِس کے سامنے کچھ نہ بول سکو۔

احمد علی ظاہری شرارت سے کہیں زیادہ گہری بات کرتا ہے۔ احمد علی دراصل اپنی بیٹی نیلم کی شادی اختر سے کرنا چاہتا ہے۔ یہاں وہ اسی خواہش کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ بات ہے لیکن وہ خیال رکھتا ہے کہ اس کی بات سے سب کے چہروں پر مسکراہٹ باقی رہے۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی ۔ یوں لب کشا ہوئے کہ گلستان بنا دیا (اصغر گونڈوی)

احمد علی کا یہ جملہ محض ایک مذاق نہیں بلکہ باپ کے دل میں بیٹی کے لیے منتخب کیے گئے رشتے کی خاموش منظوری ہے۔ وہ خود اس رشتے پر خوش ہے اس لیے اس نے یہ بات سب کے درمیان محبت، ہنسی اور خوشی کے ماحول میں کی ہے۔

یہ عبارت خاندانی تعلقات کی گرمی اور جذبوں کی صداقت کی ترجمان ہے۔ یہ مشرقی روایت کے ساتھ ساتھ محبت آمیز اندازِ گفت گو کی بھی عمدہ مثال ہے۔ احمد علی کا انداز اختیار سے بھرپور لیکن رشتوں کو جوڑنے والا ہے۔ نیلم اور اختر کے درمیان نوک جھونک ان کے تعلق کی مضبوطی اور قبولیت کا اشارہ دیتی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں باپ اپنے دل کی بات مسکراہٹوں میں کہہ جاتا ہے اور ایک نیا رشتہ خاموشی سے قبولیت کا زینہ چڑھنے لگتا ہے۔

عبارت نمبر 6

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) جو مانگنا ہو سیدھی طرح مانگنا، چکمہ نہ دینا پہلے کی طرح۔

احمد علی: نہیں فقیر حسین! اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں، خیر چھوڑو اسے، سعیدہ بیٹی ذرا یہاں آنا۔

(سعیدہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔) تم بھی آؤ خالد بیٹا۔

خالد: جی! (اُٹھ کر اس کے پاس بیٹھتا ہے۔)۔ یہاں آؤ بیٹی! میرے پاس۔

سعیدہ: میں یہیں ٹھیک ہوں چچا جان۔

احمد علی: ارے نہیں بھئی تمھیں پتا نہیں میں تمھیں یہاں کیوں بلا رہا ہوں۔ کیوں فقیر حسین؟
(مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ فقیر حسین پہلے مسکراتا ہے پھر غور سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

فقیر حسین: کیا بات ہے سعیدہ بیٹی؟

سعیدہ: (اٹکتے ہوئے) ابو! چچا جان مجھے جس لیے۔۔۔ اپنے پاس بلا رہے ہیں، مَیں۔۔۔ مَیں۔۔۔ وہ۔۔۔ مَیں نہیں کر سکتی۔

سلمیٰ: (حیرت سے) مگر بیٹی! خالد اور تم تو۔۔۔

احمد علی: ہاں بیٹی! تم دونوں تو۔۔۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے اپنے پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ گھر درکار ہے، جو فقیر حسین کا ہے۔ وہ مختلف حیلے بہانے سے اسے وہ گھر بیچنے پر رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فقیر حسین رضامند نہیں ہوتا۔ احمد علی کا بیٹا عابد انھیں بہت پریشان کرتا ہے۔ فقیر حسین کے بیٹے اختر کا جرائم پیشہ دوست رفیق، احمد علی سے ان کی جان چھڑاتا ہے۔ رفیق اپنے ساتھی جہانگیر کی عبرت ناک موت کی وجہ سے اپنے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے اور جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اختر، سعیدہ اور سلامت اسے ایسا کرنے سے روکتے ہیں۔ مگر وہ کسی کی نہیں سنتا۔ بالآخر سلامت بھی اس کے ساتھ جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری طرف کہانی کا رخ بدل جاتا ہے۔ احمد علی کی علالت کے باعث فقیر حسین کے اِس سے تعلقات بحال ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی رشتے داری کو مزید گہرا کرنے کے لیے اپنے بچوں کی آپس میں شادی کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ سعیدہ خالد سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اِس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

یہ منظر اس وقت کا ہے جب احمد علی کی تیمارداری کے لیے فقیر حسین اس کے گھر گیا ہے۔ احمد علی پہلے شدید علیل تھا لیکن اب روبہ صحت ہے۔ فقیر حسین کو اپنے گھر میں دیکھ کر احمد علی کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ سارے گھر کا ماحول خوشی سے بھرا ہوا ہے۔ اس موقع پر احمد علی اپنے بیٹے خالد اور سعیدہ کو اپنے پاس بلا کر ان کی منگنی کا اعلان کرنا چاہتا ہے۔ منظر کی فضا میں محبت، دوستی اور خوشی کے رنگ گھلے ہوئے ہیں۔ خالد اپنے باپ کے پاس جاتا ہے مگر سعیدہ سمجھ جاتی ہے اور انکار کر دیتی ہے۔ اس کے لہجے کی جھجک اور انکار سب کو چونکا دیتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اشاروں کنایوں میں اپنی بیٹی نیلم اور اختر کی شادی کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ وہ اسے اختر کے سامنے کم بولنے کو کہتا ہے۔ جس پر فقیر حسین نیلم کو اپنے پاس بلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تم دونوں میری بیٹی کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقیر حسین بھی اس رشتے پر رضامند ہے۔ نیلم فقیر حسین کے پاس جانے کی بجائے سب کی طرف حیرت سے دیکھتی ہے اور شرما کر کمرے میں چلی جاتی ہے۔ جس سے ماحول مزید خوش گوار ہو جاتا ہے۔ احمد علی اپنے بیٹے خالد کے لیے فقیر حسین کی بیٹی سعیدہ کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہے۔

وہ فقیر حسین سے کہتا ہے کہ: ''میں کچھ مانگنا چاہتا ہوں'' اس کے لہجے میں تردد اور حجاب ہے۔ یہ تردد اس لیے ہے کہ وہ فقیر حسین سے اس کی بیٹی کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگنا چاہتا ہے۔ کسی بیٹی کے باپ سے براہِ راست ایسی بات کرنے سے پہلے

ایک تمہید باندھنا ہماری معاشرتی روایت ہے۔ فقیر حسین بھی احمد علی کے مزاج کو بھانپ لیتا ہے اور مسکرا کر کہتا ہے: ''جو مانگنا ہو سیدھی طرح مانگنا، چکمانہ دینا پہلے کی طرح۔'' فقیر حسین اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جب احمد علی اس کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن فقیر حسین اس کی بات مان کر مکان نہیں بیچ رہا تھا۔ احمد علی نے اسے چکما دینے کی پوری کوشش کی لیکن فقیر حسین اس کی باتوں میں نہ آیا۔ اسی دوران میں ان کی دشمنی ہو گئی اور معاملات خراب ہو گئے۔ احمد علی، فقیر حسین کے مکان پر قبضے میں ناکام رہا۔ بیماری کے بعد اب احمد علی کے فقیر حسین کے ساتھ تعلقات اچھے ہو چکے ہیں اس لیے وہ دونوں اپنے بچوں کے رشتے کا سوچ رہے ہیں۔ فقیر حسین کا اس واقعے کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احمد علی کی جھجک کم ہو جائے اور وہ اپنے دل کی بات بے تکلفی سے کر لے۔ فقیر حسین کا مزاج دیکھ کر آخر احمد علی اپنے دل کی بات زبان پر لے آتا ہے۔

وہ اپنی خواہش ظاہر کرنے کے لیے فقیر حسین سے کہتا ہے کہ میرا خیال ہے، بھائی فقیر حسین، اب جب کہ اللہ نے ہم سب پر مہربانی کر دی ہے تو میں تم سے بھی کچھ مانگ ہی لوں۔ یعنی وہ اپنی رشتے داری بحال ہونے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھتا ہے اور اسی رحمت کے زیرِ اثر وہ اپنے بچوں کا آپس میں رشتے کرنا چاہتا ہے۔ فقیر حسین اسے بات کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ جو مانگنا ہے وہ سیدھی طرح مانگنا پہلے کی طرح دھوکا نہ دینا۔ یعنی وہ احمد علی کی فطرت سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے چالاکی سے باز رہنے کو کہتا ہے۔ احمد علی ماضی میں اپنے مفاد کے لیے بہت سے لوگوں کا نقصان کر چکا تھا اور اسی مفاد کی خاطر وہ فقیر حسین کو اس کا گھر بیچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بہر حال، احمد علی فقیر حسین سے کہتا ہے کہ اس نے یہ تمام چالاکیاں اور دھوکے بازی چھوڑ دی ہے۔ یہ کہہ کر وہ سعیدہ کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے بیٹے خالد کو بھی اپنے پاس بلاتا ہے۔ سعیدہ چوں کہ رفیق سے محبت کرتی ہے اور اس کے دل میں رفیق کے لیے ہمدردی ہے اس لیے وہ حیرت سے سب کی طرف دیکھتی ہے اور احمد علی کے پاس بیٹھنے سے بھی جھجکتی ہوئی کہتی ہے کہ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ وہ جانتی ہے کہ احمد علی اسے اپنی بہو بنانے کے ارادے سے اپنے پاس بلا رہا ہے۔ کیوں کہ وہ خالد سے شادی کرنے کے حق میں نہیں ہے اِس لیے وہ اپنے گھر والوں کا فیصلہ سن کر حیرت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر:

عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کر دیا ۔۔۔ چلنے کا حوصلہ نہیں رُکنا محال کر دیا (پروین شاکر)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ احمد علی کے بے حد اِصرار پر بھی سعیدہ اس کے پاس نہیں بیٹھتی۔ جس پر وہ مسکراتے ہوئے سعیدہ سے کہتا ہے کہ تمھیں معلوم ہی نہیں ہے میں تمھیں اپنے پاس کیوں بلا رہا ہوں۔ سعیدہ کے بار بار انکار کرنے پر فقیر حسین اس سے پوچھتا ہے کہ کیا بات ہے بیٹی۔ فقیر حسین کے پوچھنے پر سعیدہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے اور خالد سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کا یہ موقف سن کر سب حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ احمد علی اور اس کی بیگم سلمٰی اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اور خالد تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ جس پر سعیدہ کہتی ہے کہ وہ دور اور تھا۔ اب وہ خالد کی بجائے رفیق کو اپنانا چاہتی ہے۔

اس اقتباس کا اختتام ایک گہرے جذباتی لمحے پر ہوتا ہے۔ سعیدہ کا نرم لہجہ، ہچکچاہٹ اور اس کے لفظوں کی لڑکھڑاہٹ اس کی باطنی کشمکش کی غمازی کرتی ہے۔ وہ خالد سے رشتے سے انکار تو کر دیتی ہے مگر یہ انکار کسی غرور یا غصے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک باوقار قربانی کا اظہار ہے۔ اس کا جملہ ''چچا جان مجھے جس لیے اپنے پاس بلا رہے ہیں، میں ۔۔۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔۔ وہ نہیں کر سکتی'' ایک سادہ سا جملہ ہے جو اس کے دل کی بات کو اچھی طرح ظاہر کر رہا ہے۔ اس کے لہجے میں ایک عزم چھپا ہے۔ وہ رفیق کے کردار میں مثبت تبدیلی کی وجہ سے اس کا ساتھ دینا چاہتی ہے۔

مصنف نے اس نازک جذبے کو بیان کرنے کے لیے سعیدہ کے تاثرات، اس کی خاموشی اور ٹوٹے پھوٹے جملوں کا سہارا لیا ہے۔ وہ واضح نہیں ہونے دیتے کہ سعیدہ کس لیے انکار کر رہی ہے۔ ماحول کی فضا، کرداروں کے مکالموں اور سعیدہ کی جھجک سے سب کچھ خود بخود ظاہر ہوتا ہے۔ کرداروں کی گفتگو ماحول اور ان کے جذبات سے مکمل ہم آہنگ نظر آتی ہے۔

عبارت نمبر 7

فقیر حسین: (حیرت سے) خالد کو تو تم بہت پسند کرتی ہو بیٹی۔

سعیدہ: خالد بہت اچھے ہیں ابو! بہت اچھے، مگر آپ کہا کرتے ہیں نا ابو کہ کسی دوسرے کے لیے کچھ کرنا ہو تو اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔ اپنے اندر سے اپنے حصے سے کچھ کاٹ کر اسے دینا پڑتا ہے۔

فقیر حسین: ہاں ہاں بیٹی!

سعیدہ: میں نے بھی یہی سوچا ہے ابو۔ ہم سب کے پاس سب کچھ ہے۔ آرام، سکون، توجہ خوشی، محبت۔ لیکن ایک شخص ایسا ہے ابو جس کے پاس ان میں سے ایک بھی چیز نہیں۔ بالکل اکیلا ہے وہ۔

فقیر حسین: (حیرت سے) کس کی بات کر رہی ہو بیٹی؟

اختر: (چند لمحے سعیدہ کے تذبذب کو دیکھتا ہے اور ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔) رفیق؟ تم رفیق کی بات کر رہی ہو نا؟ (سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔) مگر سعیدہ۔۔۔ رفیق۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں چچا زاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے اپنے پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ مکان درکار ہوتا ہے۔ جو فقیر حسین کا ہے۔ وہ اپنا مکان بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے احمد علی کا بیٹا عابد انھیں کافی پریشان کرتا ہے۔ اختر کا دوست رفیق جو خود زمینوں پر ناجائز کرتا ہے وہ احمد علی سے ان کی جان چھڑاتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھی جہانگیر کی عبرت ناک موت کی وجہ سے رفیق اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خود کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ سلامت، اختر اور سعیدہ اس کے اس فیصلے پر رضا مند نہیں ہوتے لیکن وہ پھر بھی اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین کی باہمی کشیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ احمد علی اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔ لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

تشریح طلب عبارت اس منظر کو سامنے لاتی ہے جب سعیدہ، خالد کے ساتھ رشتے سے انکار کر دیتی ہے اور سب پر حیرت چھا جاتی ہے۔ باپ کے پوچھنے پر سعیدہ اشاروں اور مہذب الفاظ میں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ کسی کے لیے قربانی دینا چاہتی ہے۔ اس کے اندازِ گفت گو سے ماحول میں ایک سوالیہ سکوت چھا جاتا ہے۔ اختر سعیدہ کی الجھن کو سمجھتے ہوئے اس کی مدد کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا تم رفیق کی بات کر رہی ہو؟ سعیدہ اثبات میں سر ہلا دیتی ہے اور ایک نیا انکشاف سامنے آتا ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ سعیدہ کا انکار سن کر سب حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فقیر حسین اس سے کہتا ہے کہ بیٹی تم تو خالد کو پسند کرتی تھی۔ جس کے جواب میں وہ کہتی ہے کہ خالد بہت اچھے ہیں ابو! بہت اچھے، مگر آپ کہا کرتے ہیں نا ابو کہ کسی دوسرے کے لیے کچھ کرنا ہو تو اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔ اپنے اندر سے اپنے حصے کو کاٹ کر اسے دینا پڑتا ہے۔ یہ جملے ایک جذباتی المیے کو بیان کرتے ہیں۔ جہاں ایک طرف والدین کی خواہش، عزت اور فرماں برداری ہے تو دوسری طرف دل کی سچائی، محبت اور خوشی۔ یعنی وہ پہلے خالد کو ہی پسند کرتی تھی۔ لیکن رفیق کی نیک نیتی اور باطن میں موجود سچائی اسے یہ فیصلہ کرنے پر

مجبور کر دیتی ہے کہ وہ خالد کو چھوڑ کر رفیق کو اپنائے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے والد کے سامنے اس کے جملے دہراتی ہے کیوں کہ اس کے نزدیک اگر وہ رفیق کو نہیں اپنائے گی تو بھری دنیا میں کوئی بھی اس کے جرائم سے بھرے ماضی کی وجہ سے اسے قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانے کے لیے ضروری ہے کہ رفیق کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فقیر حسین سے کہتی ہے کہ کسی کے لیے کچھ کرنا ہو تو اپنے حصے سے کچھ کاٹ کر اسے دینا پڑتا ہے۔ بقول شاعر:

؎ یہی ہے عبادت یہی ہے دین و ایماں — کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں (الطاف حسین حالی)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ سعیدہ کی بات سے فقیر حسین اتفاق کرتا ہے۔ لیکن سعیدہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے مزید وضاحت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم سب کے پاس سب کچھ ہے۔ آرام، سکون، توجہ، خوشی، محبت۔ لیکن ایک ایسا شخص ہے ابو جس کے پاس ان میں سے ایک چیز بھی نہیں ہے۔ بالکل اکیلا ہے وہ۔ فقیر حسین اپنی بیٹی کی بات سمجھ نہیں پاتا اور اس سے پوچھتا ہے کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے۔ اختر دونوں باپ بیٹی کی باتیں بڑے غور سے سن رہا ہوتا ہے۔ وہ نہایت پریشانی اور تجسس سے اپنی بہن سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے "تم رفیق کی بات کر رہی ہو نا؟۔" جس پر سعیدہ ہاں میں سر ہلاتی ہے اور تصدیق کرتی ہے کہ واقعی وہ رفیق کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

دراصل سعیدہ کی زبان سے ادا ہونے والا ہر ایک جملہ اس کے اندر موجود احساسِ ہمدردی، قربانی اور انسانیت سے محبت کو ظاہر کرتا ہے۔

؎ حقیقت کا کہے جو حال، کر ایسی زباں پیدا — محبت کے سنیں جو گیت، ایسے کان پیدا کر (سیماب اکبرآبادی)

وہ یہ سوچتی ہے کہ دنیا میں سب کو خوشی اور سکون میسر ہونا چاہیے۔ خالد سے زیادہ رفیق جیسے تنہا شخص کو اس کے ساتھ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس نے گناہوں کی زندگی کو ترک کر کے نیکی کی راہ اختیار کی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے جیل جانے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ لہٰذا ان تمام عناصر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سعیدہ خالد کی بجائے رفیق سے شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ نیز وہ رفیق جیسے بے سہارا کو سہارا دینے کے لیے خود کو پیش کرتی ہے۔ اس کے الفاظ میں ایک گہری انسانیت پرستی اور خلوص ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی کی دولت، رتبے یا ظاہری حالات سے متاثر ہونے کی بجائے اس کے درد کو محسوس کرتی ہے اور اس کی زندگی کو بہتر بنانے کی خواہش رکھتی ہے۔ بقول شاعر:

؎ آدمی کا آدمی ہر حال میں ہمدرد ہو — اک توجہ چاہیے انساں کو انساں کی طرف (حفیظ جونپوری)

اس عبارت میں سعیدہ کا کردار بہت جان دار اور جرأت مندانہ نظر آتا ہے۔ مصنف نے اس کے خالد کے ساتھ رشتے سے انکار کو بہت باوقار اور سلجھے ہوئے طریقے سے پیش کیا ہے۔ سعیدہ کے لہجے میں کوئی تلخی، کوئی بغاوت اور کوئی شکایت نہیں۔ اس کے انکار کے پیچھے ایک گہری سوچ، خلوصِ نیت اور انسانیت کا درد نظر آتا ہے۔ وہ اپنے باپ کی بات کا بھرم بھی رکھتی ہے اور اپنی بات بھی دھیمے لہجے اور سلیقے کے ساتھ واضح کرتی ہے۔

مصنف نے سعیدہ کے کردار کو بہت بلند دکھایا ہے۔ اس کے کردار میں روایتی نسوانی جذباتیت کے بجائے وقار اور سلیقہ نظر آتا ہے۔ اس عبارت میں مصنف کے اسلوب کی گہرائی، فکری پختگی اور لطافت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

عبارت نمبر 8

سعیدہ: تم تو اسے جانتے ہو اختر! ہم سب سے زیادہ جانتے ہو۔ وہ پڑھا لکھا نہیں۔ شکل سے گنوار لگتا ہے۔ اس کا ماضی داغ دار ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس کی اپنی مرضی سے نہیں ہوا۔ اتنی اذیت اور تکلیف دیکھنے کے باوجود اگر کسی آدمی کے اندر انسان زندہ رہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے اختر، حفاظت کرنی چاہیے اس کی۔

اختر: ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔

احمد علی: کون ہے یہ رفیق؟

عابد: ڈیڈ! یہ وہی ہے جس نے مجھے سردار جہانگیر کی قید سے نکالا تھا۔

سلمٰی: کیا کرتا ہے؟

عابد: مگر سعیدہ! وہ تو۔۔۔اختر بتا رہا تھا کہ HE IS UNDER ARREST (سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔) تو۔۔۔میرا مطلب ہے۔۔۔

سعیدہ: کسی اور کو ہو نہ ہو، ہمیں تو پتا ہے عابد کہ اس نے جو کچھ کیا، کیوں کیا تھا۔ اگر ایک گناہ گار توبہ کر لے، کفارہ ادا کر دے اپنے جرموں کا، سزا بھگت لے اپنی غلطی کی، تو کیا اس کے بعد بھی معاشرہ اسے قبول نہ کرے!

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں آپس میں چچازاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری مفاد پرست شخص ہے۔ اسے اپنے نئے تعمیر کردہ پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ مکان کی ضرورت پڑتی ہے، جو کہ فقیر حسین کا ہے۔ وہ اسے اپنا مکان بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جس پر اس کا بیٹا عابد فقیر حسین کے گھر والوں کو بہت پریشان کرتا ہے۔ اختر کا دوست رفیق زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے والے گروہ کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ عابد سے ان کی جان چھڑانے میں مدد کرتا ہے۔ جہانگیر کی عبرت ناک موت کے باعث رفیق اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے وہ جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ رفیق کے ساتھ اس کا دوست سلامت بھی خود کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری طرف دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔ احمد علی اپنی رشتے داری کو مزید مضبوط بنانے کے لیے اپنے بیٹے خالد کے لیے سعیدہ کا ہاتھ مانگتا ہے۔ جس پر سعیدہ سب کے سامنے انکار کر کے رفیق کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ فقیر حسین سعیدہ کو سمجھاتا ہے کہ اگر تم نے رفیق کو سہارا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اسے رحم کا احساس نہ ہونے دینا۔ احسان کے اظہار سے برکت ضائع ہو جاتی ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ ''دہلیز'' ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

اس عبارت میں سعیدہ، خالد کے ساتھ رشتے سے انکار کی وجہ بتا رہی ہے۔ وہ رفیق سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ عابد اسے رفیق کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ زیرِ حراست ہے۔ لیکن سعیدہ کو رفیق اس لیے پسند ہے کہ وہ ماضی کے گناہوں پر نادم ہے اور ان سے توبہ کر چکا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ ایسے شخص کا ساتھ دینا ایک اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔ وہ رفیق میں نیکی اور سچائی کی وہ جھلک دیکھتی ہے جسے اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ سعیدہ اختر سے کہتی ہے کہ تم رفیق کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے شکل سے گنوار لگتا ہے۔ اس کا ماضی داغ دار ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس کی مرضی سے نہیں ہوا۔ اتنی اذیت اور تکلیف دیکھنے کے باوجود اگر کسی آدمی میں انسانیت زندہ رہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ دراصل سعیدہ کی باتیں اصلاح، توبہ اور انسانیت کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کا ہر ایک لفظ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ماضی کی برائیوں کے باوجود، اگر کوئی شخص سچی توبہ کرے اور نیکی کی راہ اختیار کرے تو اسے موقع ضرور دینا چاہیے۔ ہمارے دین میں بھی ایسے لوگوں کو خوب سراہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ilmkidunya / parho.pk

''بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''
(سورۃ البقرہ: آیت نمبر:222)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''مگر جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے، وہ حقیقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ رجوع کرنے کا حق ہے۔'' (سورۃ الفرقان آیت نمبر:68 تا 71)

سعیدہ کے ذریعے مصنف نے ہمارے معاشرے میں موجود اس بات کی عکاسی کی ہے کہ معاشرہ ہمیشہ لوگوں کے ماضی کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے اور اس کے سدھر جانے کی کوششوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اصل انسان وہی ہے جو مشکل حالات اور برے اعمال سے نکل کر اپنی گناہوں بھری زندگی ترک کر کے نیکی کی راہ پر گامزن ہو۔ اس کے باوجود کہ رفیق ان پڑھ ہے اور اس کا ماضی بھی داغ دار ہے۔ سعیدہ ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے صرف اس بنیاد پر اسے اپنانا چاہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس لیے سعیدہ اختر سے کہتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی تمام برائیوں سے توبہ کر کے نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اسے ماضی کی بنیاد پر رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس کی حفاظت کرنی چاہیے، اور اسے خود کو ثابت کرنے کا ایک موقع دینا چاہیے۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر وہ خالد کی بجائے رفیق سے شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ بقول شاعر:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں
(خواجہ میر درد)

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ سعیدہ کی زبانی رفیق کا تذکرہ سن کر احمد علی اس سے پوچھتا ہے کہ کون ہے رفیق۔ جس پر اس کا بیٹا عابد اسے بتاتا ہے کہ رفیق وہ ہے جس نے اسے جہانگیر کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔ دراصل احمد علی اور اس کا بیٹا دونوں کاروباری تھے اور شہر میں مختلف جگہوں پر پلازے بناتے تھے۔ جہانگیر کا تعلق ایک ایسے گروہ سے تھا جو زمینوں پر ناجائز قبضہ کرتا تھا۔ اسی سلسلے میں عابد اور جہانگیر کا ایک تنازعہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے یرغمال بنا لیتا ہے۔ اس سلسلے میں رفیق ان کی مدد کرتا ہے۔ کیوں کہ اس کا تعلق بھی جرائم کی دنیا سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ عابد کو جہانگیر کی قید سے آزاد کراتا ہے۔ سلمیٰ پوچھتی ہے کہ رفیق اب کیا کرتا ہے۔ لیکن کوئی اس کے سوال کا جواب نہیں دیتا۔ عابد سعیدہ سے کہتا ہے کہ تم رفیق کو اپنانا چاہتی ہو، لیکن اختر بتا رہا تھا کہ وہ تو جیل میں ہے۔ جس پر سعیدہ اسے ہاں میں جواب دیتی ہے اور اپنے فیصلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ کسی اور کو معلوم ہو یا نہ ہو، ہمیں معلوم ہے کہ رفیق نے جو بھی گناہ کیے ہیں وہ اس نے اپنی خوشی سے نہیں کیے۔ بلکہ مجبوری کے تحت کیے ہیں۔ غربت، طاقت ور لوگوں کا زور اور معاشرتی مسائل انسان کو گناہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنی خوشی سے گناہوں پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وقت اور حالات اسے مجرم بنا دیتے ہیں۔ اس لیے اگر رفیق دوبارہ نیکی کی طرف آنا چاہتا ہے تو ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ ایک شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں کی سزا بھی بھگت لے پھر بھی معاشرہ اس کے ماضی کے گناہوں کی وجہ سے اسے قبول نہ کرے تو یہ اس شخص کے ساتھ زیادتی ہے۔ سعیدہ کے نزدیک ایسے لوگوں کا ساتھ دینا ہی انسانیت ہے۔ بقول شاعر:

بُرا بُرے کے علاوہ بھلا بھی ہوتا ہے ہر آدمی میں کوئی دوسرا بھی ہوتا ہے (انور شعور)

اس عبارت میں مصنف انسانی ہمدردی اور اصلاحِ معاشرہ کا ایک فکر انگیز زاویہ پیش کرتے ہیں۔ یہاں سعیدہ کا کردار ایک پُر اعتماد انسان کا ہے جو معاملات کو گہری نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی گفت گو میں سچائی، ہمدردی اور شعور ہے۔ سعیدہ کے مکالموں میں نرمی، احساس اور ایثار کا جذبہ نمایاں ہے۔ عبارت کے آخر میں سعیدہ کے الفاظ صرف ایک شخص کی حمایت نہیں بلکہ اس نظام کے خلاف احتجاج ہیں جو توبہ کے بعد بھی انسان کو گناہوں کے سائے سے آزاد نہیں ہونے دیتا۔

parho.pk

عبارت نمبر 9

احمد علی: کیوں نہیں کرے بیٹی۔ مگر اس کے لیے تم ۔۔ تم کیوں؟

سعیدہ: اس لیے چچا جان کہ اس تصویر کا یہ رخ صرف ہم لوگوں نے دیکھا ہے۔ اگر ہم اُسے معاف نہیں کر سکتے تو باقی دنیا کیسے کرے گی۔ (فقیر حسین کی طرف دیکھتی ہے۔) میں نے ٹھیک کہا ہے نا ابو!

فقیر حسین: تم نے بہت اچھا سوچا ہے بیٹی، لیکن اگر تم نے اسے سہارا دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اُسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دینا کہ تم نے اس پر رحم کھا کر اسے قبول کیا ہے۔ احسان کے اظہار سے اس کی برکت زائل ہو جاتی ہے، بیٹی!

سعیدہ: مجھے اس کا احساس ہے ابو! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ (وہ روتے ہوئے باپ کے سینے سے لگتی ہے۔) مجھے شاید یہ بات اس طرح نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ابو! مجھے معاف کر دیجیے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ احمد علی اور فقیر حسین دونوں آپس میں چچا زاد بھائی ہیں۔ احمد علی کاروباری شخص ہے۔ اسے اپنے پلازے میں سینما بنانے کے لیے ملحقہ مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ حسین کا ہے۔ احمد علی اور اس کا بیٹا عابد زبردستی وہ مکان لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اختر کا دوست رفیق جو ایک جرائم پیشہ شخص ہے وہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جہانگیر کی عبرت ناک موت کے بعد رفیق اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور خود کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ سلامت بھی اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جیل جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری طرف کہانی میں نیا موڑ آتا ہے۔ احمد علی کی علالت کے باعث فقیر حسین اس کی تیمارداری کرتا ہے اور ان کے باہمی تعلق دوبارہ خوش گوار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی رشتے داری کو مزید بہتر اور مضبوط بنانے کے لیے اپنے بچوں کی آپس میں شادی کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن سعیدہ رفیق کی نیک نیتی کی وجہ سے خالد کی بجائے رفیق سے شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہے۔

تشریح طلب عبارت سبق کی آخری عبارت ہے۔ اِس لیے اس کا سباق نہیں ہے۔

تشریح

امجد اسلام امجد اردو کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں عام انسان کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے ڈراموں میں وہ معاشرتی سچائیوں کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ "دہلیز" ان کا اہم ڈرامہ ہے جس میں معاشرتی ناانصافی اور انسانی رویوں کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔

یہ منظر اس لمحے کا ہے جب سعیدہ اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے اور خالد کے بجائے رفیق کے حق میں فیصلہ دیتی ہے۔ رفیق کے ماضی کو جانتے ہوئے سب لوگ سعیدہ کے فیصلے پر حیران ہوتے ہیں۔ سعیدہ کے دل میں رفیق کے لیے جو ہمدردی اور قبولیت کا جذبہ ہے وہ اس پر قائم رہتی ہے۔ فقیر حسین اس کے فیصلے کی تائید کرتا ہے اور اسے ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتا ہے۔

جب سعیدہ نے بتایا کہ وہ رفیق کو پسند کرتی ہے کیوں کہ اس نے جرائم سے توبہ کر لی ہے تو سب کو حیرت ہوئی۔ سعیدہ کہتی ہے کہ کیا اگر کوئی شخص اپنے جرائم کی سزا بھگت لے اور گناہوں سے توبہ کر لے تو پھر بھی معاشرہ اسے قبول نہ کرے تو احمد علی کہتا ہے کہ ایسا شخص قابلِ تحسین ہے لیکن تمھیں اس کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اس کے لیے تمھیں قربانی دینے کی ضرورت کیوں ہے؟ سعیدہ کہتی ہے کہ "اگر ہم اسے معاف نہیں کر سکتے تو باقی دنیا کیسے معاف کرے گی۔" اس بات سے سعیدہ کی اخلاقی ذمہ داری کا احساس جھلکتا ہے۔

~ مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا وہ پیرہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں (علامہ اقبالؒ)

سعیدہ احمد علی سے کہتی ہے کہ چچا جان صرف ہم نے رفیق کا یہ رُخ دیکھا ہے کہ کیسے گناہوں کی دنیا سے بیزار ہو کر اس نے توبہ کی طرف قدم بڑھائے ہیں اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے جیل جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اپنے آپ کو خود سزا دینا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہم اس کی زندگی کی تمام مشکلات سے واقف ہیں۔ تصویر کا یہ رخ صرف ہم لوگوں نے دیکھا ہے۔ اس لیے اگر ہم اسے معاف نہیں کریں گے تو باقی دنیا اسے کیسے معاف کرے گی۔ اس کی طرف محبت کا پہلا قدم ہمیں ہی بڑھانا ہوگا۔ فقیر حسین خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور وہ اسے مخاطب کر کے کہتی ہے کہ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا ابو! جس پر فقیر حسین نہایت حکمت بھرے لہجے اور انداز میں اس سے کہتا ہے کہ تم نے بہت اچھا سوچا ہے بیٹی لیکن اگر تم نے اسے سہارا دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اسے یہ احساس کبھی نہ ہونے دینا کہ تم نے اس پر ترس کھا کر ایسا کیا ہے۔ کیوں کہ جب انسان کسی پر کیا گیا احسان جتانے لگے تو اس سے نہ صرف سامنے کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے بلکہ اس کی نیکی کی قدر و قیمت بھی کم ہو جاتی ہے۔ سچی مدد وہی ہوتی ہے جس میں دوسروں کی عزت اور خودداری کا مکمل خیال رکھا جائے۔

آدمی کا آدمی ہر حال میں ہمدرد ہو — اِک توجہ چاہیے انساں کو انساں کی طرف — (حفیظ جونپوری)

قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں بھی احسان کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اسلام میں احسان یعنی نیکی، بھلائی اور حسنِ سلوک کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

ترجمہ: ”بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

احسان انسان کے دل کو پاکیزگی، سکون اور قربِ الٰہی عطا کرتا ہے۔ احسان کرنے والے کو لوگ پسند کرتے ہیں اور اس کو ہر جگہ عزت ملتی ہے۔ احسان کرنے سے معاشرہ نرم مزاج، ہمدرد اور پرامن بنتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں بہترین جزا کی خوش خبری دی گئی ہے۔ لیکن طرح احسان کرنا بہت فضیلت کی بات ہے لیکن احسان جتانا ایک کمتر اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ احسان جتانے سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے اور آدمی اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر احسان جتایا جائے اس کا دل دکھی ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی احسان جتا کر کسی کا دل دکھانے کی سخت مذمت آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔“ (بقرہ:264)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے بعد احسان جتانا نیکی کی قدر و قیمت کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی لیے فقیر حسین بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہتا ہے:

”احسان کے اظہار سے اس کی برکت زائل ہو جاتی ہے۔“

سعیدہ اپنے باپ کی باتیں نہایت غور سے سنتی ہے اور جواب میں کہتی ہے کہ مجھے آپ کی کہی ہوئی ہر بات کا احساس ہے۔ رفیق کو منتخب کرنے کے بعد میں کبھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دوں گی کہ میں نے اس جیسے مجرم کو قبول کر کے اس کے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی بات مکمل کر کے فقیر حسین کے گلے لگ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے یہ بات اِس طرح نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مشرقی لڑکیوں کی یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ وہ اپنے باپ، بھائی کے سامنے اپنی پسند کا اظہار نہیں کرتیں۔ لیکن سعیدہ ہمت کر کے اپنے دل کی بات تمام لوگوں کو بتا دیتی ہے۔ پھر اس کے بعد فقیر حسین سے معافی مانگ کر اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ اسے یہ بات ایسے نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ جملہ سعیدہ کی عقل مندی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس عبارت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اپنی اصلاح کا ارادہ کر لے اور سچے دل سے اپنے گناہوں اور جرائم سے توبہ کر لے تو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ ایسے شخص کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس عبارت میں مصنف نے نہایت سادگی سے مگر دل کو چھو لینے والے انداز میں دکھایا ہے کہ کس طرح ایک نادم اور تائب شخص کے لیے راستہ ہموار کیا جا سکتا ہے۔ فقیر حسین کی باتیں معاشرتی دانش کی نمائندگی کرتی ہیں۔ سعیدہ کا ردِ عمل ایک حساس بیٹی اور باحوصلہ عورت کے کردار کی عکاسی کرتا ہے۔

مشقی سوالات

سوال نمبر:۱۔ مختصر جواب دیں۔

۱۔ ''استاد خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔'' متن کے مطابق یہ بات کس کردار نے کس کے بارے میں کہی؟

جواب۔ ''استاد خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔'' متن کے مطابق یہ بات سلامت نے رفیق کے بارے میں کہی تھی۔

۲۔ جب اختر نے رفیق کا نام لیا تو سعیدہ نے رفیق کے بارے میں کن جذبات کا اظہار کیا؟

جواب۔ جب اختر نے رفیق کا نام لیا تو سعیدہ نے بے چین ہو کر چاروں طرف دیکھا اور کہا ''کہاں گیا وہ۔۔۔رفیق صاحب''

۳۔ ''ضمیر پر بوجھ لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لینا برا سودا نہیں۔'' اس جملے کی وضاحت سیاق و سباق کے حوالے سے کریں۔

جواب۔ ''ضمیر پر بوجھ لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لینا بُرا سودا نہیں۔'' اس جملے میں رفیق کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہے اور قانون کے مطابق ان کی سزا پانا چاہتا ہے۔ وہ اپنی قانون شکنی کی پاداش میں خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے تاکہ اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ضمیر کا بوجھ جیل سے بڑی سزا ہے۔

۴۔ فقیر حسین نے بیٹی کو کیا نصیحت کی؟

جواب۔ فقیر حسین نے بیٹی کو نصیحت کی کہ وہ کبھی رفیق کو اپنے احسان کا احساس نہ ہونے دے۔

۵۔ ڈراما دہلیز کے اہم کرداروں کا تعارف کروائیں۔

جواب۔
احمد علی: ایک کاروباری دولت مند شخص۔
جہانگیر: ایک ظالم وڈیرہ جو لوگوں کی جائیداد پر قبضہ کر لیتا ہے۔
فقیر حسین: احمد علی کا چچازاد بھائی جو نہایت خوددار اور غیرت مند ہے۔
سعیدہ: فقیر حسین کی سمجھدار اور باشعور بیٹی۔
اختر: فقیر حسین کا بیٹا اور رفیق کا دوست۔
سلامت: رفیق کا چیلا۔ اختر کا دوست۔
رفیق: اختر کا دوست، بظاہر بدمعاش لیکن نیک فطرت۔
نیلم: احمد علی کی شریر بیٹی، اختر کی منگیتر۔
سلمٰی: احمد علی کی بیوی۔
خالد: احمد علی کا بیٹا جو سعیدہ کو پسند کرتا ہے۔
عابد: احمد علی کا بیٹا جو اپنے باپ کی طرح، جہانگیر کے ساتھ مل کر قبضے کرتا تھا۔

سوال نمبر:۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

۱۔ متن کے مطابق ڈرامے کا سب سے متحرک اور مرکزی کردار ہے۔
الف۔ رفیق　　ب۔ سعیدہ　　ج۔ خالد　　د۔ فقیر حسین

۲۔ ''دہلیز'' اصناف ادب کے لحاظ سے ہے:
الف۔ ناول　　ب۔ ڈراما　　ج۔ داستان　　د۔ افسانہ

۳۔ رفیق جرم کی دنیا میں گھرا رہا:
الف۔ دس سال　　ب۔ بارہ سال　　ج۔ چودہ سال　　د۔ سولہ سال

۴۔ رفیق نے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا:
الف۔ دوسروں کو سبق سکھانے کے لیے　　ب۔ خود کو چھپانے کے لیے
ج۔ جرم کی دنیا سے بچنے کے لیے　　د۔ ضمیر کا بوجھ اتارنے کے لیے

۵۔ بیماری سے صحت یاب ہوا:

الف۔ عابد　　ب۔ خالد　　ج۔ اختر　　د۔ احمد علی

۶۔ ''انصاف ہی کے لیے تو میں یہ سب کر رہا ہوں سلامے!'' اس جملے میں ''سلامے'' اسم علم کے مطابق ہے۔

الف۔ کنیت　　ب۔ عرف　　ج۔ تخلص　　د۔ خطاب

جوابات

۱	سعیدہ	۲	ڈراما	۳	بارہ سال	۴	ضمیر کا بوجھ اتارنے کے لیے	۵	احمد علی
۶	عرف								

سوال نمبر:۳۔ متن کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

۱۔ اگر تم نے............کی دال روٹی کھانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔

۲۔ فقیر حسین پہلے.............ہے پھر غور سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔

۳۔ رفیق چند لمحے دروازے میں رک کر.............کی طرف دیکھتا ہے۔

۴۔ آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے پیدل ساری...........میں گھوم جاؤں۔

۵۔ احسان کے...........سے اس کی برکت زائل ہو جاتی ہے۔

جوابات

۱	جیل	۲	مسکراتا	۳	سعیدہ	۴	دنیا	۵	اظہار

سوال نمبر:۴۔ آپ کے نزدیک ڈراما ''دہلیز'' کا سب سے فعال کردار کون سا ہے؟ اپنی بات کی وضاحت میں دلائل دیں۔

جواب۔ ڈراما ''دہلیز'' کا سب سے فعال کردار ''سعیدہ'' ہے۔ وہ ایک متحرک اور حساس کردار ہے۔ وہ معاملہ فہم اور سمجھ دار ہے۔ وہ لوگوں کے جذبات کو سمجھ سکتی ہے اور اس پر بروقت ردِعمل دے سکتی ہے۔ وہ کٹھ پتلی نہیں بلکہ خود مختار ہے۔ وہ اپنے فیصلے اپنی مرضی سے کرنے کی جرات رکھتی ہے اور یہ فیصلے لوگوں سے منوانے کا فن بھی جانتی ہے۔ ایک طرف وہ برائی اور ناانصافی کے خلاف کھڑی ہو سکتی ہے تو دوسری طرف اچھائی اور نیکی کا ساتھ دینے کے لیے مشکل سے مشکل قدم بھی اٹھانے کو تیار ہے۔ وہ ایک مودب بیٹی، قابلِ احترام بہن، اچھی دوست اور وفادار شعار ساتھی ہے۔

سوال نمبر:۵۔ طلبہ دینی اور اخلاقی تناظر میں توبہ کی فضیلت بیان کریں۔

جواب۔ توبہ کا مطلب ہوتا ہے پناہ مانگنا، مغفرت چاہنا، کسی بُری عادت کو چھوڑ دینا۔ توبہ تزکیہ نفس اور ضمیر کے اطمینان کے لیے سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ مذہبی طور پر توبہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو بہت پسند فرماتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے سابقہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے توبہ کرنے والے کی تعریف فرماتا ہے۔

اگر اخلاقی تناظر میں دیکھا جائے تو توبہ معاشرے میں امن اور اطمینان کی ضامن ہے۔ اس سے معاشرے میں برائی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جب کوئی برا شخص اپنے برے اعمال سے توبہ کرتا ہے تو معاشرے میں اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاق بہت مضبوط ہوتا ہے اور وہ پُر اعتماد طریقے سے لوگوں سے میل جول رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں اس کی عزت اور وقار بڑھ جاتا ہے۔

سوال نمبر:۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

گزشتہ ہفتے ہمارے کالج کی طرف سے تفریحی مقام کی سیر کا انعقاد کیا گیا اور سیر کا مرکز ''مری'' کی وادی اور اس کا قرب و جوار طے پایا۔ ہمارے تمام اساتذہ نے مل کر تمام انتظامات ترتیب دیے، بسوں کا انتظام کیا۔ ۳۰/جون ۲۰۲۵ء کو صبح ۹ بجے تک تمام طلبہ کالج میں جمع ہو کر بذریعہ کوسٹر سفر کے لیے روانہ ہوگئے۔ سفر چار گھنٹے کا تھا۔ میں نے اور میرے تمام دوستوں نے خوب مزے کیے۔ راستے میں ایک مسجد کے سامنے نمازِ ظہر ادا کرنے کے لیے کوسٹر روکی گئی۔ ہم سب نے باوضو ہو کر نماز ادا کی۔ مسجد کے قریب ہی ایک ڈھابا تھا۔ طلبہ نے وہاں سے گرما گرم پکوڑے، سموسے کھائے اور لطف اندوز ہوئے۔ کوسٹر دوبارہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم مری پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ہمیں مری کی مال روڈ کی سیر کا موقع میسر آیا جہاں اردگرد کی دکانوں سے ہم نے خشک میوہ جات کے ساتھ ساتھ

اور بھی بہت سی چیزیں خریدیں۔ مال روڈ کے بعد ہم نے وادیٔ مری کی معروف گلیوں کی سیر کی۔ ہم گھوڑا گلی، چھانگلہ گلی اور نتھیا گلی بھی گئے۔ یہاں کا دل کش ٹھنڈا موسم ہمیشہ یاد رہے گا۔ مری میں ہمارا قیام مال روڈ کے کنارے ایک خوب صورت ہوٹل میں تھا۔ جب ہم سیر سپاٹے سے تھک گئے تو ہوٹل کا رخ کیا۔ ایک رات آرام کے لیے ہوٹل کے چند کمرے کرائے پر لیے گئے تھے۔ باقی دوستوں کی طرح میں بھی تھکاوٹ سے چُور اپنے کمرے میں جاتے ہی لیٹ گیا اور صبح کہیں جا کے میری آنکھ کھلی۔ تمام طلبہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ کے ہمراہ ناشتا کیا۔ گیارہ بجے تک مزید سیر کا وقت مختص تھا۔ وقتِ مقررہ پر تمام لوگ ہوٹل میں اکٹھے ہوئے اور اپنا سامان باندھ کر واپسی کے لیے بارِ دگر بس میں سوار ہو گئے۔ اس سفر میں ہمیں اپنے اساتذہ کی قربت بھی نصیب رہی اور تفریح کا موقع بھی میسر آیا۔ مجھے یہ تفریحی دورہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

سوالات:

۱۔ عبارت میں کس سفر کی روداد بیان کی گئی ہے؟

جواب۔ عبارت میں کالج کی طرف سے مری اور اس کے گردونواح کے تفریحی سفر کی روداد بیان ہوئی ہے۔

۲۔ سفر کے اختتام پر طلبہ کہاں پہنچے؟

جواب۔ سفر کے اختتام پر طلبہ ہوٹل میں پہنچ گئے۔

۳۔ اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔ جواب۔ ''مری کی سیر''

۴۔ مال روڈ سے کس چیز کی خریداری کی گئی؟

جواب۔ مال روڈ سے خشک میوہ جات اور بہت سی چیزیں خریدی گئیں۔

۵۔ سیر و سیاحت کے لیے کون سی تاریخ مقرر تھی اور سفر کا آغاز کس وقت ہوا؟

جواب۔ سیر و سیاحت کے لیے ۳۰/ جون کی تاریخ مقرر تھی اور سفر کا آغاز صبح ۹ بجے ہوا۔

زبان شناسی:

حروف کی اقسام: اردو میں حروف کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے حرف بیان، حرف تاکید اور حرف علت کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں۔ مزید چند ایک حروف کی اقسام درج ذیل ہیں:۔

حروف جار: وہ حروف ہیں جو اسما اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً: میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، آگے، وغیرہ۔

حروف اضافت: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق اور ملکیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں کا، کے، کی حروف اضافت ہیں۔

حروف عطف: وہ حروف ہیں جو اسموں یا جملوں کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً: و، اور، نیز، پھر، بھی وغیرہ۔

حروف استفہام: وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: کیا، کیوں، کہاں، کب، کون، وغیرہ۔

حروف تشبیہ: وہ حروف ہیں جو کسی چیز کو دوسری کے مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: مانند، طرح، جیسا، وغیرہ۔

سوال نمبر: ۷۔ حروف کے نام کالم ''الف'' میں جب کہ ان کی مثالیں کالم ''ب'' مین درج ہیں، کالم ''ج'' میں مثال کے مطابق حروف کے نام لکھیے:

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج) جوابات
حروف جار	جیسا	پر
حروف اضافت	کہاں	کا
حروف عطف	کا	اور
حروف استفہام	اور	کہاں
حروف تشبیہ	پر	جیسا

سوال نمبر: ۸۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں۔ آزردگی، کفارہ، انتظام، چکمہ، اذیت

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
آزردگی	آزُردگی	کفارہ	کَفّارہ	انتظام	اِنتِظام	چکما	چَکْما
اذیت	اَذِیّت						

سوال نمبر:۹۔ سبق ''دہلیز'' کا خلاصہ تحریر کریں۔
جواب۔ دیکھیے سبق کا خلاصہ

مکالمہ لکھنا:

مکالمہ کے لغوی معنی ہیں کلام، کلام کرنا۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں روزمرہ بات چیت کا انداز اور بے تکلف لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہو، جو حقیقی زندگی کے قریب ہو اور انداز گفت گو میں مخاطب کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا گیا ہو۔ مکالمہ میں تمام کردار اپنی شخصیت، اپنے خیالات و تصورات کا اظہار عمدہ گفت گو سے کرتے ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت اور کرداروں کی سیرت اور فطرت کی واضح تصویر کشی کے لیے مکالمے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

سوال نمبر:۱۰۔ ''جدید ذرائع ابلاغ کی اہمیت'' کے موضوع پر تین طلبہ کے درمیان مکالمہ تحریر کریں اور جماعت میں پیش کریں۔
جواب۔ عملی کام (راہ نمائی کے لیے دیکھیے حصہ مکالمہ نویسی)

سوال نمبر:۱۱۔ طلبہ مل کر قرار دادِ پاکستان کو رول پلے کے انداز میں پیش کریں۔
جواب۔ عملی کام

مصنف سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

1۔ **اُردو شاعر، ڈراما نگار اور گیت نگار تھے:**
(الف) مجید امجد (ب) امجد اسلام امجد (ج) ن۔م راشد (د) اختر شیرانی (ب)

2۔ **امجد اسلام امجد نے کتابیں لکھیں:**
(الف) بیس سے زائد (ب) تیس سے زائد (ج) چالیس سے زائد (د) پچاس سے زائد (ج)

3۔ **امجد اسلام امجد کی پیدائش ______ کو لاہور میں ہوئی:**
(الف) 4۔ اگست 1944ء (ب) 8۔ اگست 1947ء
(ج) 10۔ اگست 1948ء (د) 14۔ اگست 1950ء (الف)

4۔ **امجد اسلام امجد نے بی۔اے کیا:**
(الف) گورنمنٹ کالج سے (ب) اورینٹل کالج سے (ج) اسلامیہ کالج سے (د) سول لائن کالج سے (ج)

5۔ **امجد اسلام امجد نے ایم۔اے اُردو کیا:**
(الف) اسلامیہ یونی ورسٹی سے (ب) زکریا یونی ورسٹی سے (ج) سرگودھا یونی ورسٹی سے (د) پنجاب یونی ورسٹی سے (د)

6۔ **امجد اسلام امجد نے اپنے کیریئر کا آغاز استاد کی حیثیت سے کیا:**
(الف) ایم اے او کالج سے (ب) پنجاب یونی ورسٹی سے (ج) اسلامیہ کالج سے (د) سول لائن کالج سے (الف)

7۔ **امجد اسلام امجد پاکستان ٹیلی وژن نیٹ ورک کے ڈائریکٹر رہے:**
(الف) 1960ء تا 1965ء (ب) 1975ء تا 1979ء (ج) 1980ء تا 1985ء (د) 1990ء تا 1994ء (ب)

8۔ **امجد اسلام امجد کو اُردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا:**
(الف) 1989ء (ب) 1992ء (ج) 1994ء (د) 1998ء (الف)

9۔ **امجد اسلام امجد کی شخصیت پر تقریباً تنقیدی کتابیں لکھی جا چکی ہیں:**
(الف) سات سے زائد (ب) دس سے زائد (ج) بارہ سے زائد (د) پندرہ سے زائد (ب)

10۔ **امجد اسلام امجد کو تمغائے حسنِ کارکردگی ملا:**
(الف) 1985ء میں (ب) 1987ء میں (ج) 1989ء میں (د) 1992ء میں (ب)

11۔ **امجد اسلام امجد کو ستارۂ امتیاز ملا:**
(الف) 1998ء میں (ب) 2000ء میں (ج) 2002ء میں (د) 2004ء میں (الف)

Parho.pk

12۔ امجد اسلام امجد کو ہلالِ امتیاز ملا:
(الف) 2019ء میں (ب) 2020ء میں (ج) 2022ء میں (د) 2023ء میں (د)

13۔ امجد اسلام امجد کی وفات ہوئی:
(الف) 10۔فروری 2019ء (ب) 10۔فروری 2021ء (ج) 10۔فروری 2022ء (د) 10۔فروری 2023ء (د)

سبق سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

1۔ سبق دہلیز کے مصنف کا نام ہے:
(الف) احمد ندیم قاسمی (ب) انتظار حسین (ج) امجد اسلام امجد (د) غلام عباس (ج)

2۔ سبق دہلیز کی صنف ہے:
(الف) ڈرامہ (ب) افسانہ (ج) ناول (د) داستان (الف)

3۔ سبق دہلیز ماخوذ ہے:
(الف) دن (ب) فشار (ج) وارث (د) دہلیز (د)

4۔ ڈرامہ دہلیز کے کردار ہیں:
(الف) دس (ب) بارہ (ج) چودہ (د) سولہ (ج)

5۔ احمد علی کے پلازے کا نقشہ فائنل کرنے والا ہے:
(الف) ریحان (ب) رحمان (ج) عرفان (د) ذیشان (ب)

6۔ ایک نئے پلازہ کی تعمیر کر رہا ہے:
(الف) رحمٰن (ب) محمد علی (ج) سعید (د) احمد علی (د)

7۔ احمد علی کا بیٹا ہے:
(الف) عابد (ب) شاہد (ج) زاہد (د) راشد (الف)

8۔ احمد علی کا رشتہ کا بھائی ہے:
(الف) خادم حسین (ب) عابد حسین (ج) فقیر حسین (د) محمد حسین (ج)

9۔ فقیر حسین کی بیٹی ہے:
(الف) عابدہ (ب) سعیدہ (ج) زاہدہ (د) شاہدہ (ب)

10۔ اختر طالب علم ہے:
(الف) فرسٹ ایئر (ب) سیکنڈ ایئر (ج) تھرڈ ایئر (د) فورتھ ایئر (د)

11۔ احمد علی شہر میں ایک ______ کی تعمیر کا منصوبہ بنا رہا ہے:
(الف) سنیما (ب) پلازے (ج) تھیٹر (د) فیکٹری (ب)

12۔ احمد علی کو پلازے کے متعلق بریفنگ دینے آتا ہے:
(الف) احسان (ب) رحمان (ج) ذیشان (د) اذلان (ب)

13۔ کتنی زمین میسر آجائے تو ایک عدد سنیما گراؤنڈ فلور پر تعمیر ہو جائے گا؟
(الف) دو سو گز (ب) تین سو گز (ج) چار سو گز (د) پانچ سو گز (د)

14۔ مطلوبہ زمین پر بنا مکان ہے:
(الف) احمد حسین کا (ب) فقیر حسین کا (ج) محمد حسین کا (د) زاہد حسین کا (ب)

15۔ فقیر حسین احمد علی کا ہے:
(الف) بھائی (ب) ہمسایہ (ج) رشتے کا بھائی (د) ماموں زاد (ج)

16- احمد علی کا بیٹا فقیر حسین سے اپنی تمام ہٹ دھرمی، زور زبردستی سے مکان لینے کی ضد کرتا ہے:
(الف) زاہد (ب) عابد (ج) شاہد (د) مہد (ب)

17- رحمان کہتا ہے کہ سینما ہونا چاہیے:
(الف) گراؤنڈ فلور پر (ب) فرسٹ فلور پر (ج) سیکنڈ فلور پر (د) تھرڈ فلور پر (الف)

18- اختر اور سعیدہ جاتے ہیں:
(الف) سلامت کے ڈیرے پر (ب) جہانگیر کے ڈیرے پر (ج) رفیق کے ڈیرے پر (د) احمد کے ڈیرے پر (ج)

19- اختر خوش خبری دیتا ہے:
(الف) سلامت کو (ب) احمد علی کو (ج) عابد کو (د) رفیق کو (د)

20- آگ میں جل کر مر جاتا ہے:
(الف) سردار تجمل (ب) سردار جہانگیر (ج) سردار زوار خاں (د) سردار وزیر خاں (ب)

21- خود کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے:
(الف) عابد (ب) احمد علی (ج) خالد (د) رفیق (د)

22- رفیق کہتا ہے کہ شریف آدمی بننے کے لیے مجھے سارے بوجھ اتارنے ہوں گے:
(الف) سر سے (ب) گردن سے (ج) کندھے سے (د) پیٹھ سے (ب)

23- رفیق نے جرائم کیے:
(الف) پانچ سال تک (ب) دس سال تک (ج) بارہ سال تک (د) چودہ سال تک (ج)

24- رفیق اپنے گناہوں کا ادا کرنا چاہتا ہے:
(الف) معاوضہ (ب) کفارہ (ج) صدقہ (د) صلہ (ب)

25- نیلم بیٹی ہے:
(الف) احمد علی کی (ب) فقیر حسین کی (ج) رفیق کی (د) رحمان کی (الف)

26- احمد علی کی بیوی کا نام ہے:
(الف) عظمیٰ (ب) شاہدہ (ج) زاہدہ (د) سلمیٰ (د)

27- خالد بیٹا ہے:
(الف) فقیر حسین کا (ب) احمد علی کا (ج) رحمان کا (د) رفیق کا (ب)

28- سعیدہ شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے:
(الف) خالد کے ساتھ (ب) سلامت کے ساتھ (ج) رفیق کے ساتھ (د) رحمان کے ساتھ (ج)

parho.pk